اسلام کی انقلابی تحریک

عبید اللہ قدسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

تہذیب و تمدن کی ترقی ، انسان کی علمی ترقی کی علامت ہے - جس قوم نے علم میں جتنی ترقی کی ہے ، اس کے کلچر اور اس کے تمدن نے بھی اتنی ہی ترقی کی ہے - گزشتہ قوموں کی ترقی کی داستان اور ان کا علمی ورثہ ہمارے سامنے ہے - ثقافت اور تمدن کی تاریخ پڑھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن کے نازل ہونے سے پہلے دنیا کی کسی کتاب نے انسانی ذہن کے لیے علمی ترقی کی ایسی رہنمائی نہیں کی تھی ، جو کل کائنات کے ہر گوشہ اور ہر حیثیت کو معلوم کرنے۔ اور اس کی تسخیر کرنے کی موثر اور مکمل ہدایت دیتی ہو ، اور جس نے زندگی کی حدوں کو وسعت دے کر آخرت کی شاہراہ سے ملا دیا ہو - اس طرح کہ علم و عمل کے لیے ایک تسلسل کے ساتھ ستاروں سے آگے تک میدان وسیع کر دیا ہو ، جو انسانی بصیرت سے دور نہیں ہے -

ہم دیکھتے ہیں رہنما آتے رہے اور علمی وسعت اور ہدایت کے موافق ترقی ہوتی رہی ، لیکن یہ ترقی اور یہ علمی وسعت اتنی سست رفتار تھی کہ تاریخ عالم میں کوئی دور ایسا نہیں ملتا جس کی علمی وسعت ہمہ جہتی بھی ہو ، انقلابی بھی ہو ، اور پائدار بھی ہو - یہ تینوں صفتیں بیک وقت کسی تحریک میں نہیں ملتیں -

تمام قوموں کی علمی ترقی اور ثقافت کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن ہی ایسی کتاب ہدایت ہے ، جس نے مکمل علم کی روشنی پھیلائی ، کائنات کے ہر گوشہ اور ہر ذرہ کو علمی نور کی

گرفت میں لے لیا ۔ انسان کو عالم موجودات میں عظیم الشان مرتبہ دے کر کل کائنات کی تسخیر پر مامور کیا اور روز افزوں انقلاب پرور علمی تحریک کی شاہراہ پر لگا دیا ، جس کے نتیجہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بدوی اور ریگ زاروں میں رہنے والی قوم نے اس کتاب کی روشنی سے تمام دنیا میں ایسا علمی انقلاب برپا کر دیا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی ۔

جب ہم اس علمی انقلاب پر غور کرتے ہیں تو موجودہ ثقافتی ترقی کی روح اسی انقلاب کو پاتے ہیں ، جو آج بھی جاری اور ساری ہے ۔ اس لیے اس علمی انقلاب کی تحریک کی تاریخ اور اس کے سائنٹیفک طریقہ سے واقفیت حاصل کیے بغیر ہمارا تشخص اس دور میں نا مکمل رہتا ہے ۔ چنانچہ پروفیسر عبید اللہ قدسی صاحب سے ایک ایسی کتاب لکھنے کی فرمائش کی گئی جو گریجویٹ معیار کے مطالعہ کے لیے ہو ، تا کہ پاکستان اور بیرون پاکستان کے مسلمان نوجوان اس دنیا کی علمی ترقی کے اسباب اور اس کی تاریخ سے اچھی طرح واقف ہو جائیں ۔

مصنف کے زور قلم اور ان کی وسعت مطالعہ کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ان کے خلوص نیت اور علمی شغف کی بھی تعریف کرنی چاہیے کہ انھوں نے ایک قلیل عرصہ میں یہ کتاب لکھ کر دے دی ۔

ہم پندرھویں صدی ہجری کے استقبال کے سلسلہ میں اپنے اشاعتی پروگرام پر عمل پیرا ہیں ، اور یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے ۔ ہمیں امید ہے کہ اسلامی ثقافت اور تمدن کا مطالعہ کرنے والے تمام نوجوانوں کے لیے یہ کتاب مفید اور فکر انگیز ثابت ہوگی ۔

۲۵ شعبان ۱۴۰۱ھ
۲۷ جون ۱۹۸۱ء

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ
ڈائرکٹر
ادارۂ تاریخ و تہذیب و تمدن اسلامی

دیباچہ

انسان کی فضیلت و برتری میں اولیں حیثیت علم کو حاصل ہے۔ اس لیے قرآن کریم میں سب سے پہلے علم اور ذرائع علم کا ذکر کیا گیا ہے۔ حصول علم اور تعلیم کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے بدیہیات کی طرف توجہ کی جائے۔ پھر جیسے جیسے استعداد اور قابلیت بڑھتی جائے، نظریات کو سمجھا جائے اور سمجھایا جائے۔ علم حقائق اشیاء کے انکشاف کا نام ہے، جس کا ثمرہ ہدایت ہوتا ہے۔ ہدایت کا راستہ متعین بھی ہوتا ہے اور ایک بھی۔ اگر افراد و اقوام گمراہی یا باہمی اختلافات کا شکار ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یا تو ان کو صحیح علم حاصل نہیں ہوا یا وہ کسی وجہ سے اپنی ضد پر قائم ہیں۔

دنیا میں صرف علم کی قوت ایسی ہے، جس پر دوسری قوت غالب نہیں آ سکتی۔ اگر کسی بات کا صحیح علم حاصل ہے تو اس معاملہ میں انسان کا سر بلند رہتا ہے، نفس مطمئن ہوتا ہے اور انسان اس پر جم جاتا ہے، اس میں استقلال کے ساتھ قیادت کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

اس لیے زندگی کا کوئی دن ایسا خالی نہیں جانا چاہیے جب اپنے علم میں اضافہ نہ کیا جائے۔ اس کا انحصار پڑھنے لکھنے کی عادت پر ہے۔ مہارت اور ہنرمندی مسلسل عمل اور عادت سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر لکھنے پڑھنے اور سوچ سمجھ کر عمل کرتے رہنے کی عادت ہو جائے تو پھر انسان، انسانیت کے اعالی مرتبہ پر فائز ہو سکتا ہے۔ یہی اس کتاب کا ماحصل ہے۔

آخر میں یہ اعتراف نہ کرنا انتہائی ناسپاس گزاری ہوگی کہ اس کتاب کے لکھنے کی دعوت دے کر اور اس طرح ہجری تقریبات کی سعادت میں شریک کرکے ، جناب محترم ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب نے انتہائی کرم کیا ہے - وہ علم کی پرورش اور تحقیق کے شغف کے لیے ہمیشہ سے بے لوث مشہور ہیں -

۳ اگست ۱۹۸۰ء

نیاز کیش

عبید اللہ قدسی

بی - ۶۸ ڈبلیو بلاک
علامہ اقبال ٹاؤن
شمالی ناظم آباد
کراچی - ۳۳

فہرست مضامین

صفحہ

صفحہ

صفحه

صفحہ

باب اول

اسلامی تہذیب

اسلامی تہذیب کی خصوصیات :

اسلامی تہذیب حقیقت میں انسانی ترقی کی علامت اور عقل انسانی کے کمال کا نشان ہے ۔ مشرق اور مغرب کی ترقی کی ضامن اور عالم انسانیت کے لیے تحفظ ، حریت ، اخوت ، اور مساوات کی پیغام بر ہے ۔ یہ تہذیب اپنی اندرونی ذاتی قوت کی وجہ سے لازوال ، متحرک اور ترقی پذیر ہے ۔ یہ انسانی روح کو جلا بخشتی ہے اور مادی ترقی کو توحید کے احاطے میں لا کر استقلال بخشتی ہے ۔

اسلامی تہذیب کا ماخذ قرآن جیسی الہامی کتاب ہے ، جس نے دنیا کے پست و بلند اور نشیب و فراز ، ناہمواریوں اور خرابیوں کا علاج پیش کیا ، اور بالکل فطری راہِ عمل متعین کر دی ہے ۔

انسان کی یہ خوش نصیبی ہے کہ اس نے اسلامی تہذیب کی گود میں پرورش پائی ۔ یہ تہذیب علم کا بدن معلوم ہوتی ہے ۔ اس کا تمام خاکہ علم و عمل کے تاروپود سے بنتا ہے ۔ قرآنِ کریم اور ارشاداتِ نبوی اس کے محرک ہیں ۔ دنیا میں ایک بھی تہذیب ایسی نہیں ہے ، جس کی ابتدا ہی علم سے ہوتی ہو ۔ جس میں تقلید نہ ہو اور وہ دوسروں کی ذیلی اور طفیلی نہ ہو ۔

اسلامی تہذیب کا سرچشمہ :

اسلامی تہذیب و ثقافت کا سرچشمہ قرآن کریم ہے ۔ جس کے ذریعے اللہ تعالٰی نے انسان کی رہنمائی فرمائی ہے ۔ قرآن کریم نے

روزِ اول سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے پہلے دن سے اسلامی ثقافت کی وہ انقلابی تحریک شروع کر دی، جس کی مکمل بنیاد صحیح علم، آفاقی علم، الٰہی علم اور اس کی ہدایت پر مبنی ہے۔

آج تک دنیا کی کسی کتاب اور کسی تحریک، کسی ہدایت اور رہنمائی میں ایسی جامعیت اور انسانی ترقی کی ایسی بلند پایہ رہنمائی نہیں ملے گی جو تمام انسانیت کو مخاطب کرکے چند نکات پر عمل کرنے سے بلندی کی راہ پر لگا دے، اولیں تعلیم، اور پہلے دن نازل ہونے والی وہ تعلیم یہ ہے:

"پڑھیے! اپنے رب کا نام لے کر، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھیے! اور آپ کا رب کرم کرنے والا ہے۔ جس نے قلم سے سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جو اس کو حاصل نہیں تھا[1]۔"

اس ہدایت میں نہ کسی قبیلے کا ذکر ہے، نہ کسی قوم اور ملک کا، یہ ہدایت تمام نوعِ انسانی کے لیے ہے، ..... اب ایک ایک فقرہ پر غور کیجیے۔ ان فقروں میں انسانی تہذیب و تمدن کی بنیاد اور عقل انسانی کے لیے منظم طریقہ سے اس علم کی روشنی میں ہمیشہ ترقی کرتے رہنے کے لیے رہنمائی موجود ہے۔

پہلا فقرہ ہے "پڑھیے"۔ قرآن نے سب سے پہلے پڑھنے کا حکم دیا۔ پڑھنا فرض ہوگیا، اللہ کے نام سے جس نے پیدا کیا، ہماری پیدائش، کائنات کی پیدائش ہر چیز کی تخلیق قابلِ غور ہوگئی، انسان پیدا ہونے سے پہلے گوشت کا ایک ٹکڑا تھا، اس کی تمام بڑائی کا انحصار اس کے علم پر ہے، ورنہ اس میں اور جانور میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ اللہ کا کرم ہے، جس نے جان ڈالی، وجود بخشا، لہٰذا پڑھیے۔ واقعی اس کا بڑا کرم ہے، جس نے قلم سے لکھنا سکھایا۔ پڑھنا اور لکھنا انسان کے لیے سب سے بڑی دولت اور نعمت ہے۔ انسان بغیر لکھے پڑھے جہالت کے اندھیرے میں رہتا ہے۔

۱۔ قرآن مجید۔ سورۃ 'العلق' (۹۶ : ۱-۵)۔

کل کائنات کی دولت کا انحصار قلم پر ہے ۔ قلم کی گردش، اس کی تحریر اور سطریں نہ ہوں تو سادہ صفحہ اور ان پڑھ جاہل برابر ہیں ، اللہ اکبر ۔ ۔ ۔ ۔ غور کیجیے ، پڑھنا اور لکھنا ہی انسانیت کی علامت ہے ، ورنہ سب ہیچ ہے ، پھر اس لکھنے پڑھنے کے نتیجہ میں انسان ترقی کرکے ''وہ جان جاتا ہے جو وہ نہیں جانتا تھا'' ۔ ۔ ۔ تو گویا تمام ترقی ، پوری انسانیت اور آدمیت کا انحصار علم پر ہوگیا ۔ علم جتنا حاصل ہوگا ، اسی قدر انسان بڑا کہلائے گا ۔

مقصد تخلیق انسان :

اگر پیدائش حیات سے لے کر انسانی وجود کی تکمیل تک کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ ایک ناقابل شمار مدت کے مسلسل نشو و نما کی تاریخ ہوگی ۔ گویا فطرت نے لاکھوں کروڑوں برس کی کارفرمائی و صناعی سے کرۂ ارض پر جو اعلیٰ ترین وجود تیار کیا ہے ، وہ انسان ہے[1] ۔ تو کیا یہ انسان صرف اس لیے پیدا ہوا ہے کہ کھائے پیئے اور مر کر فنا ہو جائے ؟ ۔ ۔ ۔ ۔ ایسا نہیں ہے ، بلکہ خدا نے جہاں اس کی جسمانی پرورش کا سامان مہیا کیا ، وہاں اس کی دماغی اور روحانی ترقی کا بھی سامان مہیا کیا ، تاکہ علم و حکمت کے خزانے معلوم کرے ، تسخیر کائنات کرے اور زمین پر اللہ کا خلیفہ ہو[2] ، اس لیے انسانی شرف اور عظمت کی وہ چیز یعنی علم جسے کلیدی حیثیت حاصل ہے ، پہلے بتا دی گئی ۔

اب آپ تفصیل سے ملاحظہ فرمائیے ، کہ مسلمانوں نے اللہ اور اس کے رسول ؐ کی ہدایت کی روشنی میں کس طرح بتدریج تمام علوم و فنون کو بام عروج پر پہنچا دیا اور دنیا کو علم کے نور سے کس طرح منور کر دیا ؟

انقلابی روح :

جب ہم غور سے مسلمانوں کے تمام علوم و فنون کا مطالعہ کرتے ہیں ، ان کی تہذیب و تمدن کے پھیلاؤ اور پائیداری کا تجزیہ

---

۱ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'التین' (۹۵ : ۴) ۔
۲ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'ص' (۳۸ : ۲۶) ۔

کرتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے دو تین سو سال میں تمام دنیا کے اندر وہ انقلابی روح پھونک دی جو ہزاروں سال میں بھی کارفرما نہ ہو سکتی تھی اور آج تک کی ترقی اسی علمی ترقی اور اسی جدید اور نئی تہذیب کا اثر ہے جسے ابھی مکمل طریقہ سے دنیا نہیں سمجھ سکی ہے۔

تدریجی تعلیم :

قرآن مکمل اور آخری کتاب ہدایت ہے۔ اس لیے اس میں وہ تمام خصوصیات ہونا چاہییں تھیں، جو تعلیم و تربیت، ترقی، پائیداری اور استقلال کے لیے ضروری ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ آج تک وہ لفظ بلفظ پوری کتاب، پڑھنے کے لب و لہجہ کے ساتھ اسی طرح عبارت میں اور زبانوں پر جاری ہے۔ اگر ایک دفعہ میں قرآن اُتار دیا جاتا تو پوری کتاب سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی، اور نہ اس پر عمل ہو سکتا تھا۔

ایک نسل کی تعلیم و تربیت اور اس کی پختگی کی عمر اکیس بائیس سال ہوتی ہے۔ قرآن مجید ۲۳ سال تک اُترتا رہا، اس طرح ایک نسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے پختہ کار اور اس پر عمل کرکے تمام دنیا کے لیے نمونہ بن گئی۔ جو لوگ تعلیم، عمرانیات، سماجی بہبود، سیاست اور دوسرے معاشرتی علوم کے ماہر ہیں اور قوانین کے نفاذ کا تجربہ رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ سوسائٹی کی تعلیم و تربیت اور اس کی قلب ماہیت کے لیے کتنا عرصہ درکار ہے، دنیا کا ہر مصنف اس بات پر حیران نظر آتا ہے کہ بغیر تلوار اُٹھائے تنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے پورے معاشرہ کی قلب ماہیت کیسے کر دی، تمام جماعت برضا و رغبت ایک نظام پر کیسے عمل پیرا ہو گئی، ایسی سوسائٹی جس میں ہر شخص اپنی جان تک دینے سے گریز نہ کرتا ہو اور سب اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایسا یقین رکھتے ہوں، جیسا خود کے ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔

اسلامی روا داری :

موجودہ زمانہ میں دنیا کے پاس وسائل اور ذرائع لاتعداد ہیں جن کا پرانے زمانے میں تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا تھا ، تب کہیں جاکر ایک جماعت برسوں کوشش کرنے کے بعد ایک خطۂ زمین پر لوگوں کو اقتصادی استحصال سے بچانے میں کامیاب ہوئی ہے، اور ایک حد تک مساوات قائم کی ہے ، اس کوشش میں لاکھوں آدمیوں کا خون بھی ہوا ، گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس گیا ، ہزاروں بے گناہ بھی مارے گئے اور لاتعداد لوگ خوف کی وجہ سے ملک بدر ہوگئے ، جب کہیں جاکر آہنی زنجیروں کے ذریعہ صرف اقتصادیات کے شعبۂ میں کامیابی کا دعویٰ کیا جا سکا ، اس کے باوجود سب دنیا میں کہرام برپا ہوگیا کہ حبس دوام کر دیا گیا ہے ، افکار کی آزادی چھین لی گئی ہے اور گویائی پر پابندی بھی لگا دی گئی ہے -

صیاد کا ہے حکم کہ اے مرغِ چمن بند
لب بند ، زباں بند ، نفس بند ، دہن بند

اس کے برعکس لوگ جب اسلام کا حال معلوم کرتے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ قرآن نے منافقین اور انکار کرنے والوں کے خلاف تلوار اٹھانے اور جنگ کرنے کا اعلان نہیں کیا ، جب تک وہ خود اقدام نہ کریں ، اور اگر پر امن رہیں تو جنگ ختم کر دی جائے - پھر یہ کہ ہر مذہب و ملت کو آزادی حاصل رہی اور ایک فرد پر بھی پابندی نہیں لگائی گئی -

دنیا کا کوئی مذہب اور کوئی نظام بھی قانوناً انسان کو اس حد تک آزادی نہیں دیتا جتنی آزادی قرآن نے دی ہے - قرآن پر عمل کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنے کی وجہ سے ایک متوازن اور انتہائی کامیاب سوسائٹی قائم ہو سکی ، جس کی مثال نہیں ملتی -

باب دوم

اسوۂ حسنہ

قرآن علم ہے ، نور ہے ، روشنی ہے ، اور مکمل نظام ہدایت ہے - لیکن دنیا کی کوئی تعلیم معلم کے بغیر ، کوئی ہدایت ہادی کے بغیر تکمیل نہیں پاتی -

اللہ تعالیٰ نے احکام قرآن کے ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ اور اسوۂ حسنہ کی پیروی کا حکم دیا - آپ نے قرآن کی تشریح ، تفسیر اور وضاحت فرمائی ، آپ نے اس پر عمل کرکے علم کا عملی نمونہ پیش کیا ، اور عمل کا طریقہ بتا دیا - علم عملی بھی ہے اور نظری بھی، ہر علم کی تنظیم و تنسیق کا ایک خاص طریق کار ہوتا ہے، اگر بہترین مخصوص طریق کار بتانے والا اور بنانے والا نہ ہو تو فکر و عمل میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے، چنانچہ قرآنی احکام کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طریقہ بتا کر اور اس کی عملی و نظری تشریح اور تفسیر فرما کر انتہائی آسانی پیدا فرما دی -

دین فطرت :

قرآن میں اسلام کو اس فطرت سے تعبیر کیا گیا ہے جو انسان کو عطا ہوئی ہے ، اور وہی فطرت خداوندی ہے[1] - اور یہی فطرت دین اسلام ہے[2] ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہر بچہ جو

---

۱ - قرآن مجید - 'سورۃ روم' (۳۰ : ۳۰) -
۲ - قرآن مجید - 'آل عمران' (۳ : ۱۹) -

پیدا ہوتا ہے وہ اپنے اندر صرف انسانی فطرت لے کر آتا ہے اور یہ اس کے والدین ہیں جو اسے یہودی ، عیسائی اور مجوسی بناتے ہیں ۔"[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر انسان کو تمام غیر فطری طریقوں اور غیر عقلی پابندیوں سے نجات دلا دی ، اوپر سے عائد کی ہوئی تمام پابندیاں جو انسان کو جکڑ بند کر دیتی ہیں اور سیدھی راہ سے بھٹکا دیتی ہیں ، اب ایک عالمگیر ربانی قانون واضح ہوگیا ، جس میں صرف فطری راہ پر عمل ہوگا ، اور یہ خالص علمی اور سیدھی راہ ہوتی ، جس میں کسی کی بھی محکومی نہیں ہے صرف عالمگیر ربانی قانون کار فرما ہے ۔

جب قرآن شریف نازل ہوا تو اس نے دعویٰ کیا کہ وہ ایک جامع اور مکمل ہدایت کی کتاب ہے : "اس میں سب کچھ وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے ، اس میں مسلمانوں کی بھلائی اور خوشخبری ہے ۔"[۲] دوسرے جس قدر ضابطہائے نجات آئے ، ان سب سے زیادہ جامع ، آسان اور سیدھا ، مستقل امن اور سلامتی کا راستہ یہی ہے ، اب کسی دوسرے رستے پر چلنے کی ضرورت نہیں ورنہ بھٹک جاؤ گے[۳] ۔ قرآن شریف میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ "اب یہ دین اسلام مکمل ہوگیا، یہی خدا کا پسندیدہ دین ہے"[۴] اس کتاب کی مفصل تفسیر اور عمل کا سراپا نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اس لیے مسلمانوں سے کہا گیا ہے ۔ تمھارے لیے رسول کی پیروی میں بہترین طریقہ ہے[۵] ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا : میں اس لیے آیا ہوں تاکہ اخلاق کی تکمیل کروں[۶] ۔ قرآن شریف نے دنیا کے سامنے یہ دعویٰ بھی پیش کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ باتیں بتاتے ہیں جن کی

---

۱ ۔ صحیح بخاری ، کتاب الجنائز ۔
۲ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'النحل' (۱۶:۸۹) ۔
۳ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'الانعام' (۶ : ۱۵۳) ۔
۴ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'المائدہ' (۵ : ۳) ۔
۵ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'احزاب' (۳۳ : ۲۱) ۔
۶ ۔ ابن ابی الدنیا : مکارم اخلاق ، بیروت، ۱۹۷۳ء، ص ۳، حدیث ۱۳ ۔

اس سے پہلے خبر ہی نہیں تھی[1] ۔ آپ لوگوں کے نفوس کو جِلا دیتے ہیں ۔ قرآن شریف پڑھ کر سناتے ہیں ، اس کی تعلیم دیتے ہیں اور حکمت سمجھاتے ہیں[2] ۔

قرآن شریف میں جس قدر احکام و اخلاق اور صفات خداوندی کا بیان ہوا ہے ۔ ان سب کا بہترین نمونہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ اس لیے قرآن شریف میں ہدایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کی جائے ۔

مطالعہ سیرت :

فلسفہ و اخلاق کے ماہروں اور دنیا کے دانشوروں کو اسلام نے دعوت دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرکے غور کریں کہ کیا اخلاق و سیرت کا اس سے بہتر نظام دنیا میں ممکن تھا ، جو نظری اور عملی ہر پہلو سے انسان کو معراج انسانیت تک پہنچا دے ۔

اس لیے اسلام کی تہذیبی ترقی اور اس کے تمدن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کیے ہوئے اخلاق اور سیرت سے جانچنا چاہیے ۔ درحقیقت سیرت ، اخلاق ، تقویٰ یا قانون ، اسلام میں کوئی علیحدہ چیزیں نہیں ہیں اور نہ دنیا اور مذہب کوئی علیحدہ چیز ہیں ۔ جیسا کہ بارہا کہا جا چکا ہے ، یہ سب توحید کے اجزاء ہیں اور ان سب کی جامع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے ، جو سراپا رحمت اور شفقت ہے ۔

قرآنی تعلیمات کا خلاصہ :

چنانچہ آپ نے فرمایا : سورۃ فاتحہ یعنی الحمد قرآن شریف کا دیباچہ اور تعلیم کا خلاصہ ہے ۔ اسے ہر نماز میں بار بار دہراتے ہیں ۔ اس میں تمام عالمِ تاریخ پیش نظر ہے ۔ انسان کے عروج و زوال کی

---

۱ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'البقرہ' (۲ : ۱۵۱) ۔
۲ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'آل عمران' (۳ : ۱۶۴) ۔

داستان سامنے آ جاتی ہے اور صراطِ مستقیم منکشف ہو جاتی ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے قرآن شریف کا مطالعہ ضروری ہے :

"خدایا ہم تیری بندگی کرتے ہیں اور صرف تو ہی ہے جس سے مدد مانگتے ہیں۔ ہم پر (سعادت کی) سیدھی راہ کھول دے۔ وہ راہ جو ان لوگوں کی راہ ہوئی ، جن پر تو نے انعام کیا ، ان کی نہیں جو پھٹکارے گئے ، نہ ان کی جو راہ سے بھٹک گئے۔"[1]

اب آپ غور کیجیے ، اول تو ساری طاقتوں سے منہ موڑ کر صرف اللہ کی بندگی کا اقرار کیا ہے اور صرف اس سے مدد طلب کی گئی ہے۔ اُن کے بعد اس سے سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق طلب کی جا رہی ہے ، کون سی سیدھی راہ ؟ کسی خاص نسل کی سیدھی راہ نہیں ، کسی قوم کی سیدھی راہ نہیں۔ بلکہ وہ راہ جو دنیا کے تمام مذہبی رہنماؤں اور تمام راست باز انسانوں کی متفقہ راہ ہے۔ خواہ کسی زمانہ اور کسی قوم میں ہوئے ہوں۔ اسی طرح محرومی اور گمراہی کی راہوں سے پناہ مانگی جارہی ہے۔ گویا جس بات کی طلب ہے ، وہ نوع انسانی کی عالمگیر اچھائی ہے اور جس بات سے پناہ مانگی ہے ، وہ بھی نوع انسانی کی عالمگیر برائی ہے۔ نسل ، ملک قوم ، یا مذہبی گروہ بندی کے تفرقہ اور امتیاز کی کوئی پرچھائیں دعا کرنے والے کے دل و دماغ پر نظر نہیں آتی۔

جس انسان کا دل و دماغ ایسے سانچے میں ڈھل کر نکلے گا ، کم سے کم اس کی خدا پرستی عالمگیر رحمت و جمال کے تصور کی خدا پرستی ہوگی۔ عالمگیر انسانیت کا انسان ہوگا اور دعوتِ قرآنی کی اصل روح یہی ہے۔

علم و بصیرت کی دعا :

اس متفقہ راہ پر چلنے کے لیے علم و بصیرت کی ضرورت ہے ، اور علم و بصیرت اس زبردست علیم و بصیر کی دی ہوئی روشنی

---

۱ - قرآن مجید - سورۃ 'فاتحہ' (۱ : ۴ - ۷) -

اور ہدایت سے ہی حاصل ہو سکتی ہے ۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک پر یہ دعا رہتی تھی ، ''اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما ۔''[۱] اسلام انسان کی ایسی تربیت کرنا چاہتا ہے کہ وہ اشیاء پر جیسی کہ وہ ہیں ، غور کرنا سیکھے ، آنحضرت کی اجمالی دعاؤں میں سے ایک یہ بھی ہے ۔

''خدایا اشیاء جیسی کہ وہ ہیں مجھے دکھلا ۔''

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے تمام علوم سائنس میں اور تاریخ و جغرافیہ میں کوشش کی ، اور حقائق کے انکشاف کیے ۔ قرآن نے علم کے دروازے کھولے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو علم سے بہرہ یاب کیا ۔ آپ کا کام ہی تزکیۂ نفس فرمانا ، قرآن شریف کی تعلیم دینا اور حکمت بتانا تھا ۔[۲]

ثقافت میں علم کا مقام :

اسلامی ثقافت کی بنیاد ہی علم ہے ۔ علم سے مسلمانوں کو اس قدر محبت رہی ہے کہ اس کے لیے انھوں نے دور دراز کے تکلیف زدہ سفر کیے ہیں ، علم حاصل کرنے کے لیے جان و مال سے دریغ نہیں کیا ، گرم و سرد کی پرواہ نہیں کی ، اہل ثروت و عشرت نے مصائب برداشت کیے ، اور آخر دنیا میں نام چھوڑ گئے ، علم کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے قلم اور تحریر کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے اس کی قسم کھائی ۔ عادل اور باعمل اہل‌علم کے بلند مرتبہ کی اللہ نے شہادت دی ہے ۔[۳] اسلام کے نزدیک عوام الناس مردہ ہیں اور اہل علم زندہ ہیں ۔[۴] اس لیے کہ وہ ہمیشہ کائنات کے اسرار معلوم کرنے میں لگے رہتے ہیں ۔ چیزوں کی خاصیت

---

۱ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'طٰہٰ' (۲۰ : ۱۱۴) ۔
۲ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'البقرہ' (۲ : ۱۵۱) ۔
۳ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'آل عمران' (۳ : ۱۸) ۔
۴ ۔ الجرجانی : اسرار البلاغہ ، قاہرہ، ص ۶۲ ۔ ۷۰ ۔

اور کونیات کے معاملات ، فضا ، خلا ، کواکب و نجوم اور وہ چیز جس کا علم سے تعلق ہے ، اس کے انکشاف میں عمر بسر کرتے ہیں ۔

علم قرآن میں :

قرآن کریم میں علم اور علم کے مشتقات کا ذکر تقریباً دو سو آیتوں میں ۷۸۰ دفعہ ہوا ہے ۔ علم کی تبلیغ ، ترغیب ، اور اس کی طلب کی فرضیت اور اہمیت کا اندازہ ان چند آیتوں سے ہوگا :

''کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے دونوں برابر ہیں ؟ بے شک وہ علم حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہیں ۔''[۱]

''اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کے ، اور اہل علم کے درجے بلند کرے گا ۔''[۲]

''کہیے : اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما ۔''[۳]

''تم ایسے ہو کہ ایسی بات میں حجت کی جس کا کچھ تمہیں علم تھا ، ایسی بات میں کیوں حجت کرتے ہو جس کا تمہیں بالکل علم نہیں ہے ۔ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے ہو ۔''[۴]

''اللہ نے انسان کو پیدا کیا ، اسے بیان کرنے کا علم سکھایا ۔''[۵]

''(رسول) تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتے ہیں ، تمہارا تزکیہ کرتے ہیں ، اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتے ہیں ، اور حکمت بتاتے ہیں ۔''[۶]

---

۱ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'الزمر' (۳۹ : ۹) ۔
۲ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'المجادلہ' (۵۸ : ۱۱) ۔
۳ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'طٰہٰ' (۲۰ : ۱۴) ۔
۴ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'آل عمران' (۳ : ۶۶) ۔
۵ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'الرحمٰن' (۵۵ : ۴) ۔
۶ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'البقرہ' (۲ : ۱۵۱) ۔

"ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں - لیکن انہیں صرف عالم ہی سمجھ سکتے ہیں -"[1]

"اگر تمھیں معلوم نہیں ہے تو اہل علم سے پوچھ لو -"[2]

علم سے متعلق چند احادیث :

احادیث میں علماء اور اہل علم کے بلند مرتبہ ، ان کی عزت اور اہمیت کا بہت ذکر کیا گیا اور علم کے طلب کرنے پر سب کو ترغیب دلائی اور احساس پیدا کیا گیا ہے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

"علماء انبیاء کے جانشین ہیں ، وارث ہیں -"[3]

"قیامت کے دن علماء کی سیاہی شہدا کے خون کے برابر شمار ہوگی -"[4]

"علم حاصل کرو اگر چین میں ہو -" اس لیے کہ "علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے -"[5]

"وہ شخص اچھا نہیں جو میری امت میں ہے اور نہ عالم ہے نہ متعلم -"[6]

تدبر ، تفکر اور تعقل کی تاکید :

قرآن شریف نے فہم و بصیرت ، عقل و ادراک ، تدبر و تفکر سے کام لینے ، عقل و فکر اور بصیرت کے استعمال کرنے پر

---

۱ - قرآن مجید - سورۃ 'العنکبوت' (۲۹ : ۴۳) -
۲ - قرآن مجید - سورۃ 'الانبیاء' (۲۱ : ۷) -
۳ - مسند احمد بن حنبل و ابو داؤد و ترمذی -
۴ - بروایت ابی درداء -
۵ - صحیح بخاری ، البیہقی و ابن عبدالبر -
٦ - ڈاکٹر ناجی معروف : اصالۃ الحضارۃ العربیہ ، بیروت ، دارالثقافت ، ۱۹۷۵ء ، ص ۲۰۰ -

زور دیا ہے ، انھیں چیزوں کی ترقی اور کامیابی کا ذریعہ قرار دیا ۔ اور قرآن نے خود اپنے استدلال کو یہاں تک کہ اللہ کے وجود کی دلیل کو بھی خالص عقلی اور برہانی اور علمی حیثیت سے بیان کیا ہے ، اسلام سے پہلے مذاہب عالم نے اور اسلام کے بعد بھی اپنے استدلال کی بنیاد عقل پر نہیں رکھی ، یہ صرف اسلام ہے ، جو ان لوگوں کو برا سمجھتا ہے جو حقائق کی معرفت میں تفکر اور تعقل سے کام نہیں لیتے :

"بیشک بدترین خلائق اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں ۔ گونگے ہیں ، جو عقل سے کام نہیں لیتے ۔"[1]

اگر ہم غور و فکر کرنے کی آیات کا شمار قرآن شریف میں کریں تو ۱۸ آیات میں اس پر زور دیا گیا ہے اور الباب (عقلمندوں) کا ذکر ۱۶ آیات میں آیا ہے ۔ اہل نظر اور ابصار کا ذکر ۳۸ آیات میں ہے ۔ تدبر کے بیان پر سات آیات ہیں ، عقل اور اس کے مشتقات کا ذکر پچاس آیات میں ہے ۔ ان سے آپ کو عقل و بصیرت ، فہم و فراست اور تفکر و تدبر کو بنیاد بنانے کا اندازہ ہو جائے گا ۔ کم عقل ، بے علم ، کوتاہ بیں ، اور ناواقف لوگ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اور قرآن کی ہدایت سے کیسے فائدہ اٹھا سکتے ہیں ؟ حالانکہ یہ محکم دلائل ہیں ، جنھیں ہر عقل سلیم قبول کرتی ہے :

"بے شک آسمانوں اور زمین کے بنانے، رات اور دن کے بدلنے، اور جہاز جو سمندروں میں چلتے ہیں ۔ جن سے لوگوں کو فائدے حاصل ہوتے ہیں ، اور پانی جو آسمان سے برستا ہے ۔ جس سے زمین زندہ ہوگئی ورنہ مردہ پڑی تھی ۔ اس میں ہر قسم کے حیوانات پھیلا دیے ، اور ہواؤں کے رخ بدلنے میں اور زمین آسمان کے درمیان حکم کے موافق بادلوں کے اڑنے میں ان لوگوں کے غور و فکر کے لیے نشانیاں ہیں ۔ جو عقل سے کام لیتے ہیں ۔"[2]

---

۱ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'الانفال' (۸ : ۲۲) ۔
۲ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'البقرہ' (۲ : ۱۶۴) ۔

انفس و آفاق میں تفکر :

قرآن شریف علم ہے اور علمی حیثیت سے انتہائی بلندی پر ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف تمام لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنی تخلیق پر تفکر کریں ۔

''اے لوگو تم اپنے نفوس پر کیوں غور نہیں کرتے ہو ۔''[1]

اور یہ بھی ارشاد ہوا :

''آسمانوں اور زمین کی خلق میں اور لیل و نہار کے اختلاف میں عقلمندوں کے لیے علامتیں ہیں ، جو لوگ کھڑے ہوئے ، بیٹھے ہوئے ، اور لیٹے ہوئے آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں (تو انھیں معلوم ہو جاتا ہے اور وہ کہتے ہیں) اے ہمارے رب ! تو نے اس سب کائنات کو یقیناً فضول پیدا نہیں کیا ہے ۔ تیری ذات پاک ہے تو ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ ۔''[2]

اس تفکر اور تدبر سے انسان کو اللہ کی قدرت کی علامتیں اور رہنمائی حاصل ہوتی ہے ، اور اس عظیم کائنات کے نظم و نسق اور تدبیر سے واقفیت حاصل ہوتی ہے ۔ اس کی ساخت کے نظام کا حال معلوم ہوتا ہے ۔

جس ایمان کی بنیاد علم ہو تو اس کی وجہ سے انسان میں اللہ کی صفات کا یقین اور بصیرت پیدا ہوتی ہے ۔ لہٰذا اللہ کے بندوں میں سے صاحبانِ علم ہی خاص طور پر اللہ سے ڈرتے ہیں[3] ۔ (اس لیے کہ وہ قانونِ قدرت کو پہچانتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اگر اس کے خلاف کیا تو اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا ۔)

تمام مخلوقات میں صرف انسان ہے ، جس کی عظمت کا انحصار صرف علم پر رکھا ہے ۔ چنانچہ قرآن مجید نے پہلی وحی میں ہی اس

---

۱ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'الذاریات' (۵۱ : ۲۲) ۔
۲ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'آل عمران' (۳ : ۱۹۱-۱۹۲) ۔
۳ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'فاطر' (۳۵ : ۲۹) ۔

بات کی طرف اشارہ کیا، انسان کی انسانیت کا انحصار ہی پڑھنے لکھنے
اور علم حاصل کرنے پر ہے ۔ انسان صرف لکھ پڑھ کر اور علم
کی انتہائی سرحدوں کو پا کر ہی کائنات کی حقیقت سے آگاہ ہو سکتا
ہے ۔ اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور اس پر غالب آ سکتا ہے۔

باب سوم

ترتیب و تدوین قرآن

جمع قرآن :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی کتابت اور اس کے خط کو محفوظ رکھنے میں بے حد احتیاط برتی ہے ۔ جو بھی آیت یا سورۃ نازل ہوتی ، آپ کاتب کو بلا کر لکھوا دیتے ، اور محفوظ کرا دیتے ۔ آپ سب کو پڑھ کر سنا دیتے ، خود حفظ یاد رکھتے اور دوسروں کو یاد کرا دیتے ، چنانچہ جو کچھ نازل ہوا ۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ میں محفوظ ہو گیا ، اور تمام صحابہ کو یاد ہو گیا ، قرآن شریف کو ضبط تحریر میں لانے اور اس کے لیے بے حد احتیاط فرمانے کا اس سے اندازہ کیجیے کہ رسول اکرم نے شروع میں نہایت شدت اور سختی سے منع فرما دیا تھا کہ :

"قرآن مجید کے علاوہ میری کسی بات اور میرے کسی کلام کو ہرگز نہ لکھو ۔"[1]

آپ کا یہ ارشاد اس لیے تھا تاکہ قرآن بالکل محفوظ رہے اور اس میں کوئی بھی فقرہ دوسرا داخل نہ ہو سکے ، چنانچہ اس قسم کی تاکید آپ نے بار بار فرمائی ۔ ایک دفعہ فرمایا :

"جس شخص نے قرآن مجید کے علاوہ میری کوئی بات لکھی ہو ۔ اسے چاہیے کہ وہ اسے مٹا دے ۔ البتہ میری گفتگو زبانی بیان کرنے اور لوگوں تک پہنچانے میں حرج نہیں ، لیکن اگر

---

۱ ۔ مناہل العرفان فی علوم القرآن ۔

کسی نے غلط بیانی سے کام لیا تو پھر اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔"[1]

کاتبان وحی :

وحی لکھنے والے آپ کے معتبر اور سب سے زیادہ عالم وہ چاروں صحابہ تھے جو بعد میں آپ کے خلیفہ ہوئے ، اور چند دوسرے اچھے عالم اور دانشور جن کی کل تعداد چھبیس تک پہنچتی ہے اور متفرق افراد کو لیجیے تو اس سے زائد نام تاریخ میں آتے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور زید بن ثابتؓ ہیں۔

ذرائع کتابت :

اس زمانے میں کتابت کے جو ذرائع میسر تھے - ان پر قرآن مجید کی کتابت ہوئی تھی۔ کھجور کی شاخیں ، پتھر کی سلیٹ ، جلد، موٹی شاخوں کی تختیاں ، کھال ، جھلی ، اونٹ یا بکری کی ہڈیاں جو چوڑی ہوتی تھیں اور اگر رگڑ کر صاف کر لیا جائے تو تختی کی صورت ہو جاتی تھیں۔ ریشمی کپڑے یا قرطاس جو ایک طرح سے سوم جامہ کیا ہوا کپڑا ہوتا تھا ، یا چھال ہوتی تھی ، بہرکیف اسے قرطاس کہتے تھے۔[2]

ترتیب قرآن :

جب کوئی آیت نازل ہوتی ، تو آپ اس آیت کے لیے بتا دیتے، اس کو فلاں جگہ لکھو ، سورۃ نازل ہوتی تو آپ اس کی جگہ کا تعین فرما دیتے۔ چنانچہ طویل طویل سورتوں کی آیتیں بڑے بڑے وقفہ کے بعد نازل ہوتیں اور یہ بھی ہوا ہے کہ درمیان میں دوسری سورتیں نازل ہوتیں ، اس لیے یہ ایک الہامی تعلیم ہے ، جو کسی انسان کے بس کی بات نہیں کہ اتنی ضخیم کتاب کی ہزاروں آیتوں کو اور سو سے زائد سورتوں کے ٹکڑوں کو جو مختلف اوقات میں

---

۱ - صحیح مسلم عن ابو موسلی الاشعری ؛ اعلام الموقعین ، ج ۴ ، ص ۳۸۰ ؛ مناہل ج ۱ ، ص ۲۸۵ -

۲ - مناہل العرفان ؛ الاتقان اور مباحث علوم القرآن -

تقریباً ۲۳ سال میں آگے پیچھے نازل ہوتے رہے - انہیں ایک خاص ترتیب کے ساتھ مقررہ جگہ پر آپ تحریر کراتے تھے -

آپ اس سے اندازہ کیجیے کہ سورۃ الحمد قرآن شریف کا دیباچہ اور کھولتے ہی پہلی سورۃ ہے - اس کا نام فاتحہ الکتاب ہے - حالانکہ یہ سورۃ شروع میں نازل نہیں ہوئی تھی - لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا ہے کہ اسے شروع میں رکھا جائے یہ سب کو معلوم ہے کہ سب سے پہلے اقراء نازل ہوئی اور پھر سورۃ المدثر نازل ہوئی - اس طرح مکہ شریف میں شروع میں چھوٹی اور مختصر فقروں کی سورتیں نازل ہوئیں - لیکن قرآن شریف میں ان کی جگہ آخر میں رکھی گئی ہے - وہ تمام قرآن منظم ، مرتب ، مسلسل اور مربوط ہے - قرآن کا یہ خود ایک بڑا معجزہ ہے - چنانچہ اس طرح تمام صحابہ اس ترتیب سے قرآن حفظ یاد کرتے تھے ، سورتیں نماز میں پڑھتے تھے اٹھتے بیٹھتے اسے دہراتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود نماز پڑھاتے تھے - آپ قرآن کی سورتیں نماز میں پڑھتے تھے ، تمام صحابہ سنتے تھے ، اور یہ شب و روز کا مشغلہ تھا -

اس طرح تمام صحابۂ کبار اور مدینہ کے قریب ترین اصحاب سے صحیح روایتیں موجود ہیں کہ آپ قرآن مجید کی کتابت اور ترتیب میں الہامی ہدایت کے موافق ان کی جگہ مقرر کرنے اور لوگوں کو حفظ کرانے میں خاص توجہ فرماتے تھے - چنانچہ پورا قرآن مجید اپنی موجودہ ترتیب کے ساتھ صحابہ کو حفظ یاد تھا -

کبھی کبھی آپ لوگوں سے قرآن سنتے تھے ، پڑھ کر سناتے تھے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز پڑھاتے تھے - تمام صحابہ آپ کو زبانی سنتے تھے اور ایک دوسرے کو سناتے تھے ، چلتے پھرتے ، اٹھتے بیٹھتے یاد کرتے تھے - قرآن مجید کی نشر و اشاعت اور تعلیم و یادداشت کے یہ تمام طریقے وہ ہیں - جو اس سے پہلے کسی معلم نے اختیار نہیں کیے تھے -

تدوین قرآن :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن شریف ایک مرتب صورت میں مدون کر کے ایک ڈورے میں سی کر رکھنے کا کام حضرت ابوبکر صدیق رض کے زمانے میں ہوا ۔ ہوا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رض کی خلافت کے ابتدائی دور (۱۲ھ) میں جنگ یمامہ ہوئی ۔ یہ جنگ اہل اسلام اور مسیلمہ کذاب (جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا) اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ ہوئی ۔ اس میں ۷۰ حفاظ ، اصحاب رسول نے شہادت پائی ، حضرت عمر رض اس سے بہت پریشان ہوئے ۔ انھوں نے خلیفہ وقت حضرت ابوبکر رض کو مشورہ دیا کہ قرآن جمع کر کے اس کی مکمل تدوین کی جائے اور اس کا ایک مکمل نسخہ تحریر کیا جائے ۔ چنانچہ دونوں میں کافی افہام و تفہیم کے بعد یہ طے ہوا کہ یہ کام زید بن ثابت رض کے سپرد کیا جائے ۔ جو کاتب وحی ہونے کے علاوہ نہایت دین دار ، ذہین ، محنتی اور نوجوان تھے ۔ اس کام کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رض ، حضرت عمر رض اور حضرت علی نے بھی مدد کی ۔ تدوین کے اصول مرتب کیے گئے اور اعلان کر دیا گیا ۔ جس جس صحابی کے پاس قرآن شریف جتنا لکھا ہوا ہے وہ لے آئے ، اور ہر شخص اپنے لکھے ہوئے حصہ کی شہادت میں دو گواہ پیش کرے کہ یہ قرآن انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے[1] ۔ اگرچہ قرآن اکثر صحابہ کو حفظ یاد تھا ، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بھی موجود تھا ۔ لیکن صحابہ کے پاس جتنا بھی لکھا ہوا تھا ۔ اسے بھی جمع کیا گیا اور نہایت مستند شہادتوں کے ساتھ صحابہ کے اتفاق سے سب کو ایک جگہ کر دیا گیا ۔

صحابہ نے تحقیق کے بہترین طریق کار کی بنیاد ڈال کر علمی طریق تحقیق کی بڑی خدمت انجام دی ہے ۔ حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض نے زید بن ثابت رض کو حکم دیا کہ مسجد نبوی کے

---

۱ - علوم القرآن ، ص ۱۲۱ -

دروازہ پر بیٹھ جائیں اور جب کوئی شخص کتاب اللہ کی کوئی آیت لائے تو دو گواہ لائے۔ تب اسے لکھیں، گویا یہ ایک باقاعدہ عدالت ہوگئی اور ایک منظم تحقیقی ادارہ قائم کر دیا گیا۔ جس نے یہ کام انجام دیا، اس سے آپ اندازہ کیجیے صرف حافظوں کے حفظ پر اعتبار نہیں کیا گیا۔ بلکہ لکھی ہوئی تحریروں کے لیے باقاعدہ شہادتیں بھی لی گئیں کہ اس کی کتابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوئی ہے۔ یا ان سے سن کے کی گئی ہے۔ آج تک دنیا میں ابھی تک کسی کتاب کی تدوین اور اس کی کتابت کا اہتمام اس تحقیق کے ساتھ نہیں ہوا کہ اس کا ایک ایک لفظ اتنی تحقیق کے ساتھ جمع کیا گیا ہو۔ جب کہ شب و روز اس کو حفظ پڑھنے والے اور نمازوں میں سننے سنانے والوں کی تعداد سینکڑوں ہو۔ جو حافظ ہوں، حفّاظ ہوں۔ جنھوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور پڑھا، حفظ کیا، اور تعلیم حاصل کی، اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ خود زید ابن ثابتؓ جن کو اس کام کے واسطے مقرر کرنے کے لیے حضرت علیؓ نے مشورہ دیا تھا۔ کاتب وحی تھے۔ آخر زمانہ تک انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن مجید کی کتابت کی تھی۔ وہ آخر وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ وہ امانت، دیانت، عقلمندی اور صبر و رضا میں مشہور تھے اور اس عہدے کے اہل تھے۔ سب صحابہ کبار نے ان پر اتفاق کیا۔ وہ قرآن مجید کی کتابت کی نزاکتوں اور اس کے علمی مباحث کو سمجھتے تھے اور قرآن مجید کی ترتیب اور اس کی جمع و تدوین کے معاملے سے خوب واقف تھے۔ پھر یہ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر ابن خطابؓ کی نگرانی شامل تھی۔[۱] اس لیے ایسے زبردست عالم اور کاتب کو (ایڈیٹراور) مدون مقرر کرنا علمی اور انتظامی لحاظ سے ایک مثالی فیصلہ تھا، اور اس کام کے لیے اتنے عمدہ اصول مقرر کرنا، جن پر اس سے پہلے دنیا میں کبھی عمل نہیں ہوا، علمی تحقیق کا عظیم کارنامہ ہے۔

---

۱ - عبدالعظیم: مناهل العرفان فی علوم القرآن، مصر، ۱۳۷۲ھ، ج ۱، ص ۲۴۳-۲۴۴۔

قرآن شریف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتب ہی لکھوایا تھا ۔ لیکن وہ سورتیں اور آیتیں ایک جگہ اسی ترتیب سے مرتب نہیں تھیں ، وہ سب متفرق اور مختلف چیزوں پر لکھا ہوا ایک جگہ جمع نہیں تھا ۔ اس لیے اُسے ایک جگہ جمع کرنے کے لیے یہ اہتمام کیا گیا اور یہ جمع و تدوین گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسری دفعہ ہوئی ۔

زید ابن ثابت رض کو اس طرح ان اُصول کے تحت جمع کرنے میں تقریباً ایک سال لگا ، حضرت علی رض نے اس پر اپنی رضا مندی کا اظہار کیا اور فرمایا : مصاحف کے سلسلے میں ابوبکر رض کا لوگوں پر سب سے زیادہ احسان ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے کتاب اللہ کو جمع فرمایا ، ابو داؤد نے بھی اس روایت کو حضرت حسن رض کی سند سے بیان کیا ہے ۔[1]

یہ قرآن مجید ایک ڈورے سے بندھا ہوا ، حضرت ابوبکر رض کی تحویل میں رہا ، اور ان کی وفات کے بعد حضرت عمر ابن خطاب رض کی تحویل میں رہا ، یہ دونوں صحابی بھی قرآن شریف کے حافظ تھے بعد میں حضرت عمر رض نے یہ قرآن مجید ام المومنین حضرت حفصہ رض کے پاس امانت رکھوا دیا تھا ۔

قرأت کی تعیین :

جب حضرت عثمان رض کی خلافت کا دور آیا تو اس وقت تک اسلامی حکومت کی سرحدیں بہت دور تک دنیا میں پہنچ گئی تھیں ۔ عرب و عجم کے اکثر ممالک حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے ۔ ان ممالک میں صحابہ رض اور حفاظ کے ذریعے قرآن پہنچا ۔ لیکن قرآن عرب قبائل کی زبانوں کے سات طریقوں پر نازل ہوا تھا ۔ یعنی ہر قبیلے کے لیے یہ آسانی تھی کہ وہ ان الفاظ کو جس طرح وہ بولتا ہے ۔ اسی طرح قرآن کو پڑھے ، یہ طریقے سات تھے ، اور ان سب مروجہ طریقوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھنے کی اجازت دی تھی ۔

---

۱ ۔ الاتقان ، ج ۱ ، ص ۵۷ ؛ مناهل العرفان ، ص ۲۳۶-۲۴۸ ۔

دوسرے یہ کہ اس زمانہ تک نقطے اور اعراب لگانے کا طریقہ جاری نہیں ہوا تھا ۔ لہٰذا نو مسلموں کے لیے قرأت کا اختلاف اور زیادہ ہو گیا ۔ جو اصحابی جس ملک میں گئے ۔ انھوں نے اپنی قرأت سے پڑھایا ۔ چنانچہ مصریوں اور شامیوں کی زبانوں اور لہجوں کے اختلاف نے اور زیادہ وسعت اختیار کر لی ۔ مدینہ شریف میں جب تک صحابہ جمع تھے ، اختلاف رونما ہونے کا امکان نہیں تھا ۔ اصلاح کے لیے صحابہ کبارؓ موجود تھے ۔ اب حضرت عثمانؓ کے پاس وفد آنے لگے کہ فلاں شخص فلاں آیت کو اس طریقے سے پڑھتا ہے اور فلاں اس طرح پڑھتا ہے ۔ لہٰذا بتائیے ہم کس طرح پڑھیں ۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے تمام مہاجرین ، انصار اور مدینے کے عالم فقیہہ اور اصحاب کبار سے اس معاملے میں مشورہ کیا اور کہا : آج تو قرأت پر معمولی اختلاف ہے ۔ لیکن آئندہ یہ فتنہ عظیم ہو جائے گا ۔ اس لیے قرآن مجید کی کتابت کرا کے اس کی اشاعت کی جائے ۔ سب نے اس سے اتفاق کیا ، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : میری رائے ہے کہ قرآن مجید کی کتابت زید ابن ثابتؓ کریں اور سب شہروں میں اس کی نقلیں بھیج دی جائیں ۔ آپ نے کہا حضرت سعیدؓ املا کرائیں ، اور زید ابن ثابتؓ کتابت کریں اور اب یہ کتابت اہل قریش کے طریقے پر ہو تاکہ تمام لوگ اس ایک ہی طریقے پر اکتفا کریں ، اور لاعلمی کی وجہ سے اختلافات پیدا نہ ہوں ۔

حضرت حفصہؓ سے وہ امانت رکھایا ہوا صحیفہ منگایا گیا اور حضرت زیدؓ نے ایک ہی طریقے پر قرآن مجید کی کتابت کی ، اس نسخے کی کئی نقلیں کرا کے عمال اور بڑے صوبوں کو بھیج دی گئیں ۔ غالباً یہ ۲۴ھ کے آخر یا ۲۵ھ کے شروع کا واقعہ ہے ۔ بعض لوگوں نے ۳۰ھ لکھا ہے ۔ جو غلط ہے ۔

مجلس نظماء کا قیام :

حضرت عثمانؓ نے حضرت زیدبن ثابتؓ کے ساتھ چار آدمیوں کی مجلس قائم کی تھی ۔ حضرت زیدؓ انصار میں سے تھے ، اور باقی تین ، عبداللہ ابن زبیرؓ ، سعید ابن عاصؓ اور عبدالرحمٰن بن حارثؓ

قریش مکہ میں سے تھے ، کہا جاتا ہے ، اس مجلس میں بارہ آدمی تھے ۔[1] جب ان لوگوں کا انتخاب کیا جا رہا تھا تو حضرت عثمانؓ نے لوگوں سے دریافت کیا تھا ۔ اہل قریش میں سب سے عمدہ ادیب اور فصیح کون ہے ؟ لوگوں نے کہا سعید ابن عاصؓ ، لہذا ان کو منتخب کیا گیا ۔

مجلس کے یہ لوگ جب کسی آیت کی کتابت کرتے تو صحابہؓ کے سامنے پیش کرتے تھے اور اس بات کا یقین کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اسی طرح پڑھا ہے ۔ اس کے بعد مصحف میں درج کرتے تھے ۔[2] دوسرے یہ کہ انھوں نے مصحف عثمانی کی کتابت کے لیے مصحف حفصہؓ کو بنیاد بنایا تھا ۔ جس کی تحقیق کا بیان اوپر گزر چکا ہے ۔[3]

حضرت عثمانؓ نے ان چاروں اصحاب کو یہ بھی ہدایت دی تھی کہ اگر آپ لوگوں میں کسی لفظ پر اختلاف ہو تو اسے قریش کے لہجے کے موافق لکھیے اس لیے کہ قرآن مجید قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے ، بہرکیف جب قرآن مجید کی کتابت مکمل ہوگئی تو حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کا نسخہ واپس کر دیا اور باقی تمام متفرق اجزاء اور صحیفوں کو جلوا دیا تاکہ دنیا میں ایک ہی نسخہ کی اشاعت ہو اور کسی اختلاف کا شائبہ باقی نہ رہے ۔[4]

کتابت کے وقت جس قسم کے اختلاف ہوتے تھے ۔ اس کی مثالیں بھی تاریخ تدوین کی کتابوں میں درج ہیں ۔ یہاں ایک مثال لکھی جاتی ہے تاکہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ یہ اختلافات معنی پر اثرانداز نہیں تھے نہ لکھنے میں کوئی نمایاں فرق تھا ۔ لفظ تابوت کے سلسلے میں اختلاف ہوا ۔ حضرت زیدؓ نے کہا : تابوہ ، اور دوسرے دو نے کہا : تابوت ، حضرت عثمانؓ نے کہا :

---

۱ ۔ المرشد الوجیز ، ص ٦٦ ۔
۲ ۔ التبیان ، ج ۱۱ ، ص ۱۱۱ ۔
۳ ۔ فرج توفیق : علوم القرآن ، بغداد ، دار الحریہ ، ۱۹۷۸ء ، ص ۵۲ ۔
۴ ۔ البرہان ، ج ۱ ، ص ۲۳٦ ؛ مناہل ، ص ۲۵۲ ؛ مباحث ، ص ۷۸ ۔

آسے تا کے ساتھ لکھیے اس لیے کہ قریش کی زبان میں 'تے' کے ساتھ ہے۔[1]

حضرت عثمان رض نے اس مجلس کے سات نسخوں کی کتابت کرائی اور انھیں مختلف ممالک میں بھیج دیا گیا ۔ تاکہ لوگ اس کی نقلیں کر لیں ۔ چنانچہ ایک ایک نسخہ مکہ ، شام ، یمن ، بحرین ، بصرہ اور کوفہ میں بھی بھیجا گیا اور ایک خود مدینہ میں حضرت عثمان رض کے پاس رہا ۔[2]

حضرت عثمان رض نے قرآن مجید کی نشر و اشاعت میں جتنی کوشش کی اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ممالک اسلامیہ میں صرف نسخوں کے بھیجنے پر ہی اکتفا نہیں کیا ۔ بلکہ ہر ملک میں ایک ایک حافظ ، قاری ، صاحب علم کو بھی بھیجا گیا ۔ تاکہ وہ قرآن شریف کی تعلیم دیں ، چنانچہ زید ابن ثابت رض مصحف مدنی کے پڑھانے والے مقرر ہوئے ۔ عبداللہ بن سائب مکہ کے ، مغیرہ بن شہاب شام کے ، ابو عبدالرحمٰن اسلمی کوفہ کے ، اور عامر بن عبدالقیس بصرے کے لیے مقرر ہوئے ۔[3]

ان پانچ آدمیوں کے نام سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رض نے چھ نسخے کتابت کرائے تھے ۔ جن میں سے ایک حضرت عثمان رض کے پاس رہا ۔[4]

یہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا کتابت شدہ نسخہ حضرت عثمان رض نے حضرت حفصہ سے منگا لیا تھا تاکہ اس کی بنیاد پر کتابت کرائی جائے ۔ پھر کتابت کے بعد اس کو واپس کر دیا تھا ۔ چنانچہ مروان نے اپنے زمانے میں حضرت حفصہ رض سے یہ نسخہ لینے کے لیے کئی دفعہ کوشش کی آخر حضرت عبداللہ ابن عمر رض سے کہا ۔ انھوں نے یہ پیغام حضرت

---

۱ ۔ علوم القرآن ، ص ۵۵ ۔
۲ ۔ مباحث ، ص ۸۴ ۔
۳ ۔ مناھل العرفان فی علوم القرآن ، ج ۱ ، ص ۳۲۷-۳۹۴ ۔
۴ ۔ مباحث ، ص ۸۶ ۔

حفصہؓ کو پہنچا دیا ۔ حضرت حفصہؓ اٹھیں ، غسل کیا اور اپنے ہاتھ سے اس نسخے کو جلا دیا ۔

قرآن مجید کی تین دفعہ تدوین کی گئی جو تفصیل اوپر بیان کی گئی ۔ اس کا خلاصہ یہ ہے :

(الف) جب کوئی سورۃ یا آیت نازل ہوتی ۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسے فلاں جگہ فلاں سورۃ میں فلاں آیت کے بعد لکھو ، یہ سب لکھا ہوا مختلف ٹکڑوں میں منتشر تھا ۔

(ب) دوسری تدوین یہ ہوئی کہ حضرت ابوبکرؓ نے تمام منتشر اوراق اور کتابتوں کو ایک جگہ جمع کر کے ڈورے سے بندھوا کر امانت رکھ دیا ۔

(ج) اور تیسری تدوین یہ ہوئی کہ حضرت عثمانؓ نے اس نسخے کو سامنے رکھوا کر ایک ہی طریقے سے اہل قریش کے طریقے کے مطابق پورے قرآن کریم کی کتابت کرائی اور باقی تمام منتشر اور مختلف کتابتوں کو جو مدینے کے صحابہؓ سے جمع کی گئی تھیں ، جلوا دیا ۔ پھر اس کتابت شدہ قرآن شریف کی نقلیں تمام اسلامی ممالک میں بھیج دیں تاکہ لہجوں کا کوئی اختلاف نہ ہو اور ساری دنیا میں قرآن مجید کی اشاعت آسان ہو جائے ۔[1]

---

۱ ۔ مناہل العرفان فی علوم القرآن ، ج ۱ ، ص ۲۵۵-۲۵۶ ۔

باب چہارم

اعجاز القرآن

علم و ادب اور بیان کے جتنے شعبے ہیں ، قرآن مجید سے ان سب کا بھی گہرا تعلق ہے ۔ اس میں لفظ و معنی کی تمام خوبیاں جمع ہیں ۔ بلاغت اور فصاحت اپنے کمال پر پہنچی ہوئی ہے ۔ اسی لیے عرب کے شعراء اور خطیب قرآن کے نزول کے بعد سرد پڑ گئے۔ قرآن مجید میں حکمت عملی و نظری کے ان علوم و فنون کی طرف بھی رہنمائی ہوتی ہے جو انسانی کمال کے لیے اساسی حیثیت رکھتے ہیں ۔

قرآن خود ایک بولتی ہوئی کتاب ہے ۔ اس کے پڑھنے اور اس پر غور و فکر کرنے سے خود بخود تمام اسرار کھلنے لگتے ہیں اور تھوڑی سی توجہ کے بعد قرآن خود اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے ۔ قرآن کیا ہے ، ملاحظہ کیجیے :

> "اللہ نے بہترین کلام اُتارا ہے ۔ ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزاء ہم رنگ ہیں ، اور جس میں بار بار مضامین دہرائے گئے ہیں ۔ اُسے سن کر ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں ۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے ۔ جس سے وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے اور جسے اللہ ہی ہدایت نہ دے (اور وہ اس ہدایت کو قبول نہ کرے) تو اس کے لیے پھر کوئی ہدایت نہیں ہے ۔"[1]

---

۱ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'الزمر' (۲۹ : ۲۳) ۔

دنیا میں دو ہی راستے ہیں : ایک سیدھا اور ایک گمراہی کا ۔
اس آیت کریمہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم نظام فکر و عمل کی ایک بے مثال کتاب ہے ۔ وہ نکات اور حکمت والی کتاب ہے ، لوگوں کے لیے نفع بخش سرچشمہ ہے ۔ تمام کی تمام حسن و جمال ہے ، بلیغ اور دقیق ہے ، تمام کلام ایک دوسرے کا معاون ہے ۔ بڑے حسین پیرایہ بیان میں قصے بیان کیے گئے ہیں ، جو ادبی شاہکار بھی ہیں اور نصائح اور احکام ان سے غیر محسوس طریقے سے دلنشین ہو جاتے ہیں ۔ انداز بیان بالکل اچھوتا اور مضامین کی تکرار میں تنوع ہے ۔ یہ ذہن نشین کرنے کے لیے بہترین طریقہ تعلیم ہے ۔ بلاغت و فصاحت ، تصویر کشی اور فکر انگیز مطالب دلوں پر حیرت انگیز طور پر اثر انداز ہوتے ہیں ۔ سب میں ایک تسلسل ، تنوع اور تکرار میں حیرت انگیز خوبی کو دیکھ کر آدمی خود بخود سوچتا ہے کہ ایسا کلام انسان کے بس کی بات نہیں ۔ اگر یہ انسانی کلام ہوتا تو ضرور اس میں بہت سی جگہ اختلاف ہوتا ۔ چنانچہ جب آدمی اسے خلوص کے ساتھ یعنی ہدایت حاصل کرنے کی غرض سے پڑھتا ہے تو اس پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ اس کا بدن تھرتھرا جاتا ہے اور روح تڑپ اٹھتی ہے ۔ پھر اس سے صاحب ایمان کا دل تسکین پاتا ہے ۔ سینہ کھل جاتا ہے ، آنکھیں چمک اٹھتی ہیں اور آدمی بڑے خلوص کے ساتھ مزید علم حاصل کرنے کے لیے اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے ۔

قرآن کا علمی اعجاز :

علوم مادی ، یعنی تمام علوم سائنس سب اگرچہ مشاہدات اور تجربات پر مبنی ہیں ۔ لیکن یہ تفکر ، تدبر اور علم کی مختلف شاخوں پر عبور حاصل کرنے سے ترقی کر سکتے ہیں ۔ پھر حیرت یہ ہوتی ہے کہ قرآن نے ان سائنسی اور علمی انکشافات اور ان سے فائدہ اٹھانے کی جس طرح ترغیب دی ہے اور انسان کے فرائض میں داخل کیا ہے ، بلکہ اسی انداز سے انسان ترقی کے ان مدارج تک پہنچا ہے اور ان سب علوم کی ترقی سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر

یقین ہوتا چلا جاتا ہے اور انسان اس کی توحید ، یکتائی ، اور ایجاد و تخلیق کے کرشموں کو پاکر اس کی رحمت اور مہربانی کا اعتراف کرتا ہے - سائنس کے بہت سے محققوں نے اپنی برسوں کی تحقیق کے بعد جب بعض اصولوں کا سراغ پا لیا تو انھیں اللہ تعالیٰ کے اس حیرت انگیز نظام کے استحکام اور اس کے اسباب کی تنظیم کو دیکھ کر اس کی کبریائی کا اعتراف کرنا پڑا -

''علوم القرآن'' ، ''روح الدین اسلامی'' اور ''کتاب العلم یدعوا الی الایمان'' کے مصنفین اور مؤلفین نے بہت سے مغربی محققین سائنس کے خیالات کا حوالہ دیا ہے کہ انھوں نے آخرکار اس بات کا اعتراف کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دعوت تفکر و تدبر اور تمام ارض و سما اور بحروبر کی چیزوں پر غور کرکے اور علوم مادی حاصل کرکے ان سے استفادے کی جو دعوت دی ہے - حقیقت میں انھیں علوم کے حاصل کرنے کے بعد انسان کا ایمان پختہ ہوتا ہے - وہ جتنا زیادہ علم حاصل کرتا ہے - اسی قدر اس پر اللہ کی قدرت کے کرشمے ظاہر ہوتے چلے جاتے ہیں ، اور ان کا مستحکم قانون دیکھ کر اس قانون ساز کا قائل ہونا پڑتا ہے -

قرآن شریف کی آیت ہے : ''ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے (یعنی قاعدے) سے پیدا کیا ہے -[1]'' اب آپ غور کیجیے زمین کا کرہ سورج کے آس پاس ایک سیکنڈ میں اٹھارہ میل کی رفتار سے اپنے مدار پر گھومتا ہے ، اور اگر یہ مدار سورج سے چھ میل یا چالیس میل دور ہوتا تو ہمارا زندہ رہنا کسی حیثیت سے بھی ممکن نہیں ہوتا -[2] پھر یہ کہ کرۂ زمین ۲۳ درجے کے زاویے پر مائل ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو دونوں قطب ہمیشہ اندھیرے میں ڈوبے رہتے اور گہری کہر اور برف کی صورت میں مٹی کے ڈھیر کی طرح جمع ہو جاتے ، جو دونوں قطب پر چھا جاتے ، پھر خط استوا کے میدان تک پہنچ جاتے یا چشموں کی طرح اُبل پڑتے -[3]

---

۱ - قرآن مجید - سورۃ 'القمر' (۵۴ : ۴۹) -
۲ - قرآن مجید - سورۃ 'الملک' (۶۷ : ۳-۴) -
۳ - فرج توفیق : علوم القرآن ، بغداد ، دارالحریہ ، ۱۹۷۸ء ، ص ۲۱۱ -

آپ کو معلوم ہے آٹھ سال تک مسلسل مطالعہ کیا ، چوبیس ہزار ملین ڈالر خرچ ہوئے تو زمین سے قریب ترین سب سے چھوٹے ستارے چاند تک رسائی ہوئی اور یہ قریب ترین ستارہ زمین سے ۲۰ ہزار میل دور ہے ، کرۂ ارض کے متعلقات ہی میں سے ہے اور ہماری دنیا کے خلا سے ملا ہوا ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں میں جو اسرار رکھے ہیں ، ان سے استفادہ کرنے کے لیے کتنی محنت اور کتنے علوم کی ضرورت ہے ۔ اللہ کی قدرت کا اندازہ ہمارے خواب و خیال سے باہر ہے ۔ اللہ نے انسان کو یہ توفیق دی ہے کہ وہ علم حاصل کرکے اسرار کا انکشاف کرتا رہے ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

”وہی ہے جس نے اس سب کو جو زمین میں ہے ، تمھارے لیے پیدا کیا۔ پھر اوپر کی طرف توجہ کی اور سات آسمان استوار کیے ۔“[1]

اس آیت میں سب سے اہم بات یہ ظاہر کی گئی ہے کہ انسان کے لیے سب سے پہلی چیز زمین کا سامان ہے ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انسان کی توجہ اول زمین کے اسرار و خزائن کی طرف مبذول کی ۔ اس لیے کہ یہی اس کی اولین ضرورت ہے ۔ اس کے علوم کا حصول پہلا مقصد ہے ۔ اس کے بعد آسمانوں کے اسرار کی معلومات کی نوبت آتی ہے ۔ سعدی شیرازی نے اس مقصد کو واضح کیا تھا :

تو کارِ زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

ہم جب اس حکمت خداوندی پر غور کرتے ہیں تو چونک اٹھتے ہیں کہ ایک طرف تو انسانوں کی کثیر آبادی ذلیل اور پست حالت میں ہے ۔ زمین پر رہ کر زمین کے سامان کے محتاج ہیں ۔ نہ ضروریات زندگی میسر ہیں اور نہ علم اور ترقی کے مواقع حاصل ہیں ۔

---

۱ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'البقرہ' (۲ : ۲۹) ۔

دوسری طرف دنیا کی قلیل آبادی اس علم کی ترقی کے ذریعہ اسرار کائنات کے کھوج میں اس طرح مصروف ہے کہ اس نے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو قبضے میں کرکے اپنے علم و فن کو دوسروں کے استحصال کے لیے استعمال کیا ہے، لیکن وہ اس حقیقت سے غافل ہے کہ اللہ تعالیٰ ان قوتوں کو واپس بھی لے سکتا ہے بلکہ لے لیتا ہے۔

رسائی اور نارسائی :

بہرکیف اگر انسان کو علم کی روشنی پہنچ گئی ہے تو وہ آسمانوں کی حقیقت اور ان کے اسرار کو دیکھتا ہے۔ ان کی وسعت سے خدا کی قدرت کا اندازہ کرکے انسان کی عقل حیران ہو جاتی ہے کہ کتنی زبردست ہے اس کی کائنات اور کتنے مستحکم ہیں اللہ کے قوانین، چنانچہ اس نظم و نسق کے مطالعے میں جتنا علم بڑھتا ہے اتنے ہی اس کے اسرار کھلتے ہیں، اور اس کے اٹل قوانین کا انکشاف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

"اس نے درجہ بدرجہ سات آسمان بنائے، تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی اور فرق نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر نظر ڈالو۔ کیا کہیں تمھیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ (سائنسی مشاہدات علم کی دقیقہ رسی سے کام لو) تمھاری نگاہ (تمھارے آلات اور علم کے ناکافی ہونے کی وجہ سے) تھک کر ناکام واپس پلٹ آئے گی۔"[1]

ابھی تو ہم ایک نظام شمسی کا بھی اچھی طرح سراغ نہیں پا سکے ہیں تو ایسے کئی آفتاب ہیں، جن کی کائنات کا ہم کیسے سراغ لگا لیں گے۔ اس حقیقت کا اس سے اندازہ کیجیے کہ سورج سے زیادہ چمکنے والا سورج کے بعد زہرہ ستارہ ہے جو سورج سے ۲۶ مرتبہ زیادہ روشنی دیتا ہے اور ستاروں میں ایسے بھی ہیں جو سورج سے پچاس لاکھ مرتبہ زیادہ روشنی دیتے ہیں۔ گویا ایک سیکنڈ

---

۱ - قرآن مجید - سورۃ 'الملک' (۶۷ : ۳-۴) -

میں وہ اتنی روشنی دیتے ہیں جتنی سورج ایک سال میں روشنی دیتا ہے ۔

ذرا غور کیجیے اگر سورج کچھ نیچے اتر آئے تو زمین پگھل جائے اور جو کچھ ہے سب کا دھواں اُڑ جائے ۔ خدا کا شکر ہے اور اس کا احسان ہے کہ سورج کی شعاعیں اور اس کی حرارت بقدر ضرورت ہماری زمین پر آتی ہے ۔ جس سے ہماری زندگی کی حفاظت ہوتی ہے ۔ بہرکیف یہ ستاروں کی دنیا ہے جس کا علم کے ذریعے انکشاف ہوتا چلا جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے شروع میں اس کی رہنمائی فرمائی تھی اور بغیر علم کے اس حقیقت کو لوگ سمجھ نہیں سکے تھے ۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی وسعت اور اس سے استفادے کے لیے محنت سے علم حاصل کرنے کی طرف رہنمائی کی تھی ۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا آپ روشنی کے سالوں کے حساب سے اندازہ کیجیے ۔

ایک آیت میں کہا گیا کہ :

”تمہارے ایک ہزار سال اور ہمارا ایک دن ۔“

دوسری آیت میں کہا گیا کہ :

”تمہارے پچاس ہزار سال اور ہمارا ایک دن ۔“

اس طرح اس کائنات کی وسعت اور عظمت کا تصور انسان کے دل میں پیدا کیا گیا تاکہ اُسے تجسس حاصل ہو اور علم کے اضافے سے اس کائنات پر عبور حاصل کرنے کی اہلیت پیدا ہو ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ بھی بتا دیا ہے کہ ”انسان چاہے تو وہ ان آسمانوں کی حدود سے باہر نکل جائے تو وہ نہیں نکل سکتا ۔ مگر قوت سے وہ باہر نکل سکتا ہے ۔“[1] اور ظاہر ہے کہ قوت علم ہی کے ذریعے سائنسی انکشافات کرکے حاصل ہو سکتی ہے ۔ چنانچہ آج انسان نے دیکھ لیا کہ وہ علم کی قوت سے خلاء میں پہنچ گیا اور زمین کی حدود سے باہر نکل گیا ، اور اگر اسی طرح علم میں ترقی ہوتی رہی تو ممکن ہے انسان اس نظام شمسی سے بھی آگے بڑھ جائے ۔

---

۱ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'الرحمٰن' (۵۵ : ۳۳) ۔

انسان میں جس قدر علم کی لگن اور اسرار غیب کو معلوم کر کے ان سے استفادہ کا عشق پیدا ہوگا ، اسی قدر وہ آگے بڑھتا چلا جائے گا ۔

اللہ تک رسائی :

سائنس اور علوم طبیعیہ خود اس حقیقت مطلقہ اور خدائے یکتا تک پہنچا دیتے ہیں ۔ جس نے انسان کی تلاش اور علمی جستجو کی انتہا اپنی ذات واحد کو قرار دیا ہے ۔ اس نے کہا ہے ''تیری انتہا تیرے رب تک ہے ۔''[1] یہ بڑا نازک اور علمی مسئلہ ہے کہ سائنس اور علوم عقلی اور یہ مادی علوم ہمیں خود شناسی ، پھر کائنات کی معرفت کے رستے سے ایک حقیقت تک پہنچا دیتے ہیں ۔

آپ نے اوپر ملاحظہ کیا کہ سائنسی جستجو ہمیں خود یہ بتاتی ہے کہ اس نظم عالم اور وسیع کائنات کی بنیاد آخر ایک ہے ، اور یہ کہ جتنی تلاش کیجیے ، آخر میں ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو قانون ہے ۔ وہ یکساں طور پر جاری ہے ، اٹل ہے اور اس پر حاوی ہو کر اس کے علم سے ہم کائنات کی غیر محدود وسعتوں میں داخل ہو سکتے ہیں ۔ اسی ایک مسلّم اور نہ بدلنے والے قانون کا نام سنت اللہ اور اللہ کا طریقہ ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ طبیعیات کا جو قانون بھی ہمیں معلوم ہوتا ہے ، وہ غیر مبدل اور یکساں ہے ۔

سنت اللہ کا علم :

اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو علوم طبیعیہ میں بھی روحانی اعتبار سے نئے معنی پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ فطرت کا علم سنت اللہ کا علم ہے ۔ جس کے مشاہدے کے لیے (قرآن نے بار بار دعوت دی ہے) ہم ذات مطلق یعنی خدائے یکتا ہی سے قرب و اتصال کی سعی کرتے ہیں اور اس لیے یہ بھی گویا عبادت ہی کی ایک دوسری شکل ہے ۔''[2] اور اس سے یہ ماننا لازم آتا ہے کہ زمانے کا وجود درحقیقت

---

۱ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'النجم' (۵۳ : ۴۲) ۔
۲ ۔ اقبال : تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ، بزم اقبال ، لاہور ، ص ۸۷ ۔

اللہ کے وجود میں داخل ہے۔ اس لیے اس کائنات کے اسرار کا انکشاف اور اس کی حدوں کو چھونا ہمارے لیے انتہائی نفع بخش بھی ہے اور اللہ کے حکم کی تعمیل بھی ہے۔ بلکہ علوم میں محنت کرکے ان اسرار کو پا لینے کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ انسان کے لیے کائنات کی تسخیر کا راستہ، جس کا اعلان خود قرآن نے کیا ہے، ہموار ہو گیا۔ کسی چیز کی تسخیر کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اس کی حقیقت کا علم ہو گیا اور اس سے کام لینے اور فائدہ اٹھانے کا طریقہ معلوم ہو گیا۔

باب پنجم

اشاعت علم کے ذرائع

اس بات کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی کہ ایک بدوی اور علم سے بے بہرہ اور اسباب علم سے اس قدر دور قوم ، علمی میدان میں اتنی تیزی سے دوسروں پر سبقت لے گئی ہو - اشاعت علم کی یہ تاریخ دنیا میں بے مثال ہے - اس لیے اس کا مطالعہ بڑی اہمیت کا حامل ہے -

قبل اسلام زمانہ جاہلیت میں لوگ کجھور کے پتوں ، شاخوں اور اس کے تنوں کی تختی پر لکھتے تھے[1]، یا چمڑے ، مہاریق پر لکھتے تھے- یہ ریشمی سفید کپڑا ہوتا تھا ، جسے پہلے پگھلے ہوئے گوند میں تر کرکے سخت کر لیا جاتا تھا پھر چکنا کیا جاتا تھا[2] یا کرپاس یعنی ٹاٹ کی قسم کے موٹے کپڑے پر لکھتے تھے اور اسے بھی پہلے چکنا کر لیتے تھے- لیکن تحریر کے لیے یہ کپڑے عرب سے باہر زیادہ مستعمل تھے - عراق میں جب تک کپڑا بننا شروع ہوا لوگ مہارق کا زیادہ استعمال کرتے تھے-[3] اس قسم کے سامان میں سے کجھور کی شاخیں ، جھلی ، چمڑے اور ہڈیوں کا استعمال عرب میں تھا - اس لیے کہ یہی چیزیں وہاں میسر آ سکتی تھیں ، چنانچہ ریشمی کپڑے ، اور ہڈیوں اور مہارق کو دینی کتب اور معاہدوں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا -[4]

---

۱ - ابن ندیم ، محمد اسحاق: الفہرست ، القاہرہ ، مکتبہ التجاریہ ، ۱۳۳۸ھ -

۲ - ابن المنظور : لسان العرب ، بیروت ، ۱۹۵۶ء ، ج ۱۰ ، ص ۳۶۸ -

۳ - الفیروز آبادی : القاموس المحیط ، القاہرہ ، ۱۳۰۲ھ ، ج ۲ ، ص ۲۴۲ -

۴ - الجاحظ : کتاب الحیوان ، القاہرہ ، مکتبہ مصطفیٰ البابی ، ج ۱ ، ص ۶۹-۷۰ -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قرآن شریف کی کتابت کے لیے انھیں چیزوں کا استعمال کیا تھا ۔ صحابہ نے بھی ان ہی کا استعمال کیا ، امام زحری کہتے ہیں ۔ میں نے کئی دفعہ حدیث کو جوتے کے اوپر لکھ لیا تاکہ بھول نہ جاؤں ۔[1]

حضرت عمر ابن خطاب رضؓ کے زمانے تک بہت فتوحات ہو چکی تھیں ۔ مفتوحہ علاقوں میں حکام مقرر ہوئے ۔ فراسین اور معاہدوں کی کثرت ہوگئی ملک کے ملک بغیر لڑے اسلامی مملکت میں داخل ہوگئے ۔ دواوین (دفاتر) قائم کیے گئے ۔ بیت المال سے کھانے کا سامان تقسیم ہوتا تھا ۔ اس کا حساب کتاب لکھنا پڑا ۔ لہٰذا اس نئے دور میں اب کتابت کے لیے نئی چیزوں کا اضافہ ہوا اور مصر سے البردی اور القباطی لانے لگے[2] پھر اس سے سفید کاغذ بنایا جانے لگا ، جسے قرطاس کہتے ہیں ۔[3] اس کاغذ میں نفاست ، صفائی اور پائداری ہوتی تھی ۔ بہت جلد عمدہ سے عمدہ کاغذ بننا شروع ہوگیا اور تیزی کے ساتھ کتابوں کی نشر و اشاعت میں مدد مل گئی۔[4] مشہور مصنف الجہشیاری لکھتا ہے ۔ ابی جعفر منصور (۱۵۸ھ) کے زمانہ میں کاغذ کا ایک ڈھیر ایک درھم میں مل جاتا تھا ۔ کاغذ کے کارخانوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ بغداد میں ایک محلہ سی کرخ میں ایک پھاٹک **درب القراطیس** کہلاتا تھا ۔[5] اس میں کاغذیوں کے کارخانے تھے ۔ طبری نے ۲۰۰ھ کے واقعات میں اس کا ذکر کیا ہے[6] اور

---

۱ ۔ خطیب بغدادی : تقیید العلم ، دمشق ، ۱۹۴۹ء ، ص ۱۰۷ ۔
۲ ۔ مصر میں السی سے چکنا کپڑا بنتا تھا ۔
۳ ۔ ابن بیطار : الجامع لمفردات الادویہ و الاغذیہ ، القاہرہ ، المطبعۃ الامیریہ ، ۱۲۹۱ھ ، ج ۱ ، ص ۸۶ ۔
۴ ۔ الحلوجی : عبدالستار : المخطوط العربی ، الریاض ، مطابع جامع الامام محمد ، ۱۳۹۸ھ ۔ ۱۹۷۸ء ، ص ۲۱ ۔
۵ ۔ الجہشیاری : الوزرا و الکتاب ، القاہرہ ، مکتبہ مصطفیٰ البابی ، ۱۹۳۸ء ، ص ۱۳۸ ۔
۶ ۔ الطبری : تاریخ الطبری ، القاہرہ ، دارالمعارف ، ۱۹۶۰ء ، ج ۸ ، ص ۵۴۴ ۔

جاحظ نے تو اپنی کتاب المحاسن والا ضداد میں اس کا کئی جگہ ذکر کیا ہے ۔[1]

اوراق البردی کاغذ لپٹے ہوئے ملتے تھے ۔ ایک کاغذ کی لمبائی تیس ہاتھ اور چوڑائی ایک بالشت سے کچھ زیادہ ہوتی تھی ۔[2] (آجکل خبر چھاپنےکی مشین (Teleprinter) کا کاغذ بھی اتنا ہی چوڑا ہوتا ہے اور لمبا ہوتا ہے جو گول لپٹا ہوا ہوتا ہے) ۔ جب عربوں کے کارخانوں میں کاغذ ان کی ضرورت سے زائد بننے لگا تو اس کی دوسرے ممالک میں برآمد شروع ہو گئی ۔

کاغذ کی صنعت اور اشاعت علم میں انقلاب :

عرب دنیا میں کاغذ کی صنعت تقریباً ۱۳۳ھ مطابق ۷۵۱ء کے بعد شروع ہوئی ، اسلامی لشکر نے حاکم سمرقند زیاد بن صالح حارثی کی قیادت میں فرغانہ کے رئیس سے مقابلہ کیا ۔ اس رئیس کی چین کا بادشاہ مدد کر رہا تھا ۔ چنانچہ مسلمان لشکر فاتح کی حیثیت سے بیس ہزار چینی قیدیوں کو لے کر سمرقند لوٹا ، ان چینیوں میں کچھ لوگ کاغذ سازی کی صنعت سے واقف تھے ۔[3] ان لوگوں کے ذریعے سمرقند میں مسلمانوں نے کاغذ کا کارخانہ قائم کر لیا ۔ یہاں سے یہ صنعت عرب میں منتقل ہوئی ۔ ہارون الرشید کے وزیر یحیٰی برمکی نے تمام دفاتر میں کاغذ استعمال کرنے کا حکم دے دیا ۔ اس کاغذ سازی نے علم کی نشر و اشاعت اور مسلمانوں کے علوم کو پھیلانے میں وہی کام کیا جو چھاپہ خانے کی ایجاد نے سولھویں صدی سے یورپ میں کیا تھا ۔

یورپ کے چھاپہ خانے اور عربوں کی کاغذ سازی میں ایک بہت بڑا فرق ہے ۔ جب مسلمانوں کے پاس کاغذ کی بہتات ہوئی اور علوم کے

---

۱ ۔ الجاحظ : المحاسن والاضداد ، لیدن ، مطبع بریل ، ۱۸۹۸ء ، ص ۳۳۶-۳۳۷ ۔

۲ ۔ السیوطی : حسن المحاضرہ ، القاہرہ ، مطبعۃ ادارۃ الوطن ، ۱۲۹۹ھ ، ج ۲ ، ص ۲۳۰ ۔

۳ ۔ مقدمہ ابن خلدون ، القاہرہ ، ۱۹۶۲ء ، ص ۹۶۲ ۔

پھیلانے کا سامان میسر آیا تو اس وقت تک مسلمان دنیا کے بہت سے علوم عربی میں منتقل کر کے ، نئے نئے علوم و فنون میں اور ایجادوں میں بڑی ترقی کر چکے تھے ۔ ان کے پاس کثیر تعداد میں اپنی کتابیں موجود تھیں ، دارالعلم تھے ، یونیورسٹیاں تھیں اور علمی تحقیقات اور نئی نئی ایجادوں میں تمام دنیا پر سبقت لے گئے تھے ۔

اس کے برخلاف جب یورپ میں چھاپہ خانہ استعمال ہوا تو ان کے پاس عربی سے کیے ہوئے ترجموں اور عربی کی کتابوں کے علاوہ چھاپنے کے لیے کتابیں نہیں تھیں ۔ ان کے علوم محدود تھے ۔ ان کے پاس یونیورسٹیوں میں پڑھانے کے لیے کتابیں نہیں تھیں ۔ بڑے دارالعلوم اور کتب خانے نہیں تھے۔ چنانچہ انھوں نے عربی سے ترجمہ کی ہوئی کتابوں کو چھاپا ، بہت سی کتابیں عربی کی چھاپیں ۔ پھر عربی سے تراجم کی کوشش کی ، سولھویں صدی میں انھوں نے بائبل کی لغت عربی میں روم سے طبع کی ، اور دوسری کتابیں چھاپیں ۔

ہارون رشید نے کاغذ کی کثرت کے بعد یہ حکم دے دیا تھا کہ اب چمڑے اور جھلی پر لکھنا بند کیا جائے اس لیے کہ اس پر مٹا کر دوبارہ لکھا جا سکتا ہے ۔ اس طرح لوگوں کو جعل سازی کا موقع ملتا ہے ۔ لیکن کاغذ پر مٹایا نہیں جا سکتا ، نہ دوبارہ نئی عبارت لکھی جا سکتی ہے ۔[1] اس شک کی وجہ سے چمڑے اور جھلی پر لکھے ہوئے مخطوطوں کی سند زیادہ قابل قدر نہیں رہی ۔ جب تک ان کی قدامت کی تحقیق نہ ہو جائے ۔

مسلمانوں کی کاغذ کی اعلیٰ صنعت کا اس سے اندازہ کیجیے کہ صرف خراسان میں جو کاغذ تیار ہوتا تھا ۔ وہ عرب حاکموں کے ناموں سے مشہور تھا اور اس کی کئی قسمیں تھیں ، جیسے **سامانی، طلحی، نوحی، فرعونی** (مصری) ، **جعفری** (جعفر برمکی) ، **طاہری**[2] غالباً

---

۱ ۔ القلقشندی : صبح الاعشی ، القاہرہ ، دارالکتب ، ۱۹۱۳ء ، ج ۲ ، ص ۴۷۵-۴۷۶ ۔

۲ ۔ ابن ندیم فہرست الف ، ص ۳۲ ۔

شروع میں صرف ماوراء النہر کے کاغذ کے کارخانے مشہور ہوئے۔ اصطخری نے اسی لیے صرف انہیں کا ذکر کیا ہے۔[۱] ابن حوقل چوتھی صدی کے آخر میں لکھتا ہے کہ یہاں کاغذ عمدگی میں بے نظیر ہے ، اور بہت ہے۔[۲] ناصر خسرو نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ طرابلس میں جس کو اس نے ۴۳۸ھ میں دیکھا تھا ۔ نہایت حسین کاغذ تیار ہوتا ہے ۔ سمرقندی کاغذ اس کے حسن کو نہیں پہنچتا ۔[۳] اس زمانہ میں شام سے یہ صنعت سمندر پار ہسپانیہ پہنچ گئی اور تمام اندلس میں عمدہ کاغذ تیار ہونے لگا ۔[۴]

ابن ندیم نے چوتھی صدی ہجری میں شہر الحدیثہ کے ایک کتب خانے میں تین سو رطل چمڑے پر لکھے ہوئے مخطوطات دیکھے جن میں عرب کے قصائد ، حکایات ، تاریخ اور نسب نامے تھے ، وہ کہتا ہے ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے معاہدے اور امام حسنؓ اور حسینؓ کے لکھے ہوئے کتابچے بھی تھے اور بعض ماہرین نحو و لغت اور محدثین کے مخطوطات تھے جیسے سیبویہ ، الکسائی ، الفرا ، اور سفیان الثوری ، لیکن یہ سب پرانے ہو کر سٹ رہے تھے اور مسخ ہو گئے تھے ۔

یورپ میں کاغذ اسلامی ملکوں سے پہنچا ہے ۔ انگریزی لفظ (Ream) فرانسیسی لفظ (Raime) سے بنا ہے اور یہ لفظ (Resma) ہسپانیہ کے لفظ سے بنا جو 'رزمہ' عربی لفظ ہے ۔ یورپ اس زمانے میں قرطبہ اور اشبیلیہ سے سب کچھ حاصل کرتا تھا ۔ جس طرح نپولین مصر گیا تو چھاپہ خانہ لے گیا ، اور پھر اپنا چھاپہ خانہ

---

۱ ۔ اصطخری : المسالک و الممالک ، القاہرہ ، وزارۃ الثقافت ، ۱۹۶۱ء ، ص ۱۶۲ ۔

۲ ۔ ابن حوقل : المسالک و الممالک ، لیدن ، مطبعہ بریل ، ۱۸۷۲ء ، ص ۳۳۷ ۔

۳ ۔ ناصر خسرو : سفرنامہ ، القاہرہ ، مطبعہ لجنتہ التالیف و التراجم ، ۱۹۴۵ء ، ص ۱۳ ۔

۴ ۔ یاقوت الحموی : 'معجم البلدان' لیبزگ ، ۱۸۶۶ء ، ج ۳ ، ص ۲۳۵ ۔

واپس منگا لیا ، عربوں نے اس طرح نہیں کیا - عرب اگرچہ آدھے فرانس تک گئے اور رہنے کے لیے فتح نہیں کیا تھا - بلکہ ان کی سرحدوں کا زور ختم کرنے گئے تھے - لیکن انھوں نے فرانس میں بھی آثار چھوڑے اور یورپ کے لیے اپنی درس گاہوں اور تحقیقاتی اداروں کے دروازے کھول دیئے -

قلم :

تعلیم میں پڑھنے کے ساتھ لکھنا سکھایا جاتا ہے - لکھنے کا ذریعہ قلم ہے - چنانچہ سب سے پہلے نازل ہونے والی آیتوں میں قرآن نے انسان کی سب سے بڑی صفت یہ بتائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قلم سے لکھنا سکھایا ، قلم کی اہمیت قرآن نے اس قدر بیان کی کہ اس کی قسم کھائی گئی اور واقعی قلم علم کا ذریعہ ہے اور علم کا ہی سکہ چلتا ہے - دنیا میں اسلام سے پہلے لوگوں نے پتھروں پر نوک دار آلوں سے لکھا - پھر قلم سے لکھا ، لیکن تمام تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ ہاتھ سے لکھنے کے لیے قلم ترقی کا آخری آلہ ہے جو ابھی تک رائج ہے ، قلم ، بانس ، نرسل وغیرہ سے بنایا جاتا تھا - جس کے بنانے ، تراشنے ، چھیلنے ، قط دینے کے اصول مرتب کیے گئے - مسلمانوں نے اس میں بڑی ترقی کی اور اسے بھی ایک مستقل ہنر اور علم بنا دیا - چنانچہ قلم پکڑنے ، قلم بنانے اور اس کے مختلف طریقہ استعمال پر اتنا لکھا گیا کہ دنیا میں کسی زبان میں اتنا نہیں لکھا گیا ہوگا -

روشنائی :

اسی طرح روشنائی عرب میں شروع میں کاجل وغیرہ سے بناتے تھے اور اس میں گوند وغیرہ ملاتے تھے - مسلمانوں نے سیاہی بنانے اور اس کے نسخے ایجاد کرنے میں بے مثل کوشش کی ہے - چنانچہ آجکل کی اتنی ترقی اور روشنی کے باوجود ایسی روشنائی نہیں بنائی جاتی جس سے لکھا ہوا سینکڑوں سال کے بعد بھی بڑی آب و تاب ، چمک دمک رکھتا ہو، گویا وہ آج ہی لکھا گیا ہے - اس کی تصدیق کے لیے یورپ اور اسلامی ممالک کے کتب خانے اور عجائب گھر

موجود ہیں ۔ روشنائی کے رنگ عمدہ ، پختہ اور نہ پھیلنے والے ہوتے تھے ۔ ایک ہزار برس پہلے کی لکھی ہوئی کتابیں اور قرآن مجید انسانی صناعی کے ایسے شاہکار ہیں جنھیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے ۔ اس روشنائی میں کیمیاوی اجزاء کا ایسا امتزاج ہوتا تھا جس کا نسخہ بجائے خود بڑے تجربے اور فنی ترقی کا نمونہ ہے ۔

دوات :

دوات کیسی ہو ، اس کے بھی تمام وصف تحریر ہوئے ۔ قلم سے نصف دوات کا قد ہو ، نہ بالکل چھوٹی ہو کہ سیاہی قلم میں نہ لگ سکے ، نہ اتنی بڑی ہو کہ قلم کی نوک کا میدان مکمل ڈوب جائے ۔ بعض وزراء کے پاس معتبر ملازمین قلم‌دوات اور سیاہی کے خزانہ دار ہوتے تھے ۔ وزراء قلم دوات اپنی نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے ۔ یہ بھی اصول تھا کہ دوات سادہ اور خوبصورت ہو ۔ اس پر کوئی تصویر نہ ہو ، نقش نہ ہو ۔ اس لیے کہ زینت سطحی چیز ہے اور صبر و قناعت کے خلاف ہے ۔ علم ظاہری رونق سے بلندتر ہے ۔[1]

لوگوں کو قلم دوات رکھنے اور لکھنے پڑھنے کا کتنا شوق تھا ، اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ مشہور مورخ یاقوت نے لکھا ہے کہ ابن جریر الطبری ۲۹۵ھ میں بغداد میں آیا ۔ حنبلی گروہ نے اس سے احمد بن حنبلؒ کے مرتبے اور حدیث 'جلوس علی العرش' کے متعلق سوالات کیے ۔ ابن جریر نے کہا کہ امام احمد سے کوئی اختلاف نہیں ہے اور حدیث 'جلوس علی العرش' محال ہے ۔ چنانچہ اس فرقے نے ابن جریر پر حملہ کر دیا اور دواتیں پھینک کر ماریں ۔ کہتے ہیں کہ ایک ہزار دواتیں پائی گئیں[2] ابی مسلم الکجی ۲۹۲ھ کی مجلس املاء میں شمار کیا گیا تو چالیس ہزار دواتیں تھیں[3] ۔ اس سے علم کی

۱ ۔ الصولی : ادب الکتاب ، بغداد ، المکتبہ العربیہ ، ۱۳۴۱ھ ، ص ۹۶ ؛ صبح الاعشی ، ج ۲ ، ص ۴۳۲ ۔
۲ ۔ یاقوت : معجم الادباء ، القاہرہ ، ۱۹۳۸ء ، ج ۸ ، ص ۵۸ ۔
۳ ۔ الخطیب بغدادی : تاریخ بغداد ، القاہرہ ، مکتبہ الخانجی ، ۱۹۳۱ء ، ج ۶ ، ص ۱۲۲ ۔

نشر و اشاعت میں مسلمانوں کے ذوق و شوق اور ان کی تعلیم کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

کتابت کی ترغیب :

قرآن شریف خود کتابت کی ترغیب دیتا ہے اور کتابت پر زور دیتا ہے :

''اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا ، جب تک میعاد باقی ہے ، دستاویز لکھنے میں کاہلی نہ کرو ۔ اللہ کے نزدیک اس میں تمہارے لیے انصاف کی زیادہ مضبوطی ہے ۔ شہادت کو اچھی طرح قائم رکھنا ہے اور اس بات کا حتی الامکان بندوبست کر دینا ہے کہ (آئندہ) شک و شبہ میں نہ پڑو ۔''[1]

صرف یہی نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے پڑھنے کی ترغیب دی اور سب کی تعلیم کا انتظام کیا ۔ بلکہ آپ نے فرمایا کہ علم دور دراز علاقوں میں ہو تو وہاں جا کر حاصل کرو ۔ چنانچہ آپ نے علم حاصل کرنا فرض قرار دیا اور کہا ''علم حاصل کرو اگرچہ چین جانا پڑے'' اور ''علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے ۔'' آپ نے دوسری زبانیں سیکھنے کا بھی حکم دیا ۔ بخاری میں روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابت کو حکم دیا کہ وہ یہود کی (عبرانی) کتابت سیکھیں تاکہ معلوم ہو ، انھوں نے اپنے رسول کی تعلیم میں کتنی تحریف کی ہے ۔''[2] اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب تک دوسری زبانوں کی تعلیم اور دوسروں کا علم حاصل نہیں کیا جائے گا ، صحیح بات معلوم نہیں ہوگی ۔ اس لیے تقابلی مطالعہ بھی ضروری ہے ۔ یہ وہ زبردست کمی ہے جس کی طرف ہمارے علماء نے قطعی توجہ نہیں کی ۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید ابن ثابت کو دوسروں کی تعلیم حاصل کرنے کا حکم دیا ۔ چنانچہ زید ابن ثابت نے

---

۱ ۔ قرآن مجید ۔ سورۃ 'البقرہ' (۲ : ۲۸۲) ۔

۲ ۔ الحلوجی : المخطوط العربی ، ص ۶۹ ۔

فارسی ، رومی اور حبشی زبانیں بھی سیکھی تھیں ۔[1]

الوراقہ :

ایک فن جو چھاپہ خانہ جاری ہونے کے بعد اب یورپ میں وجود میں آیا اور جس نے بیسویں صدی میں اتنی ترقی کر لی کہ اب اس پر لوگ تحقیق کر کے اعلیٰ ترین ڈگریاں لیتے ہیں ، یہ فن ہے (Composing, Editing, Copying and Binding) تالیف ، ترتیب و تدوین ، نقل ، اصلاح اور جلد بندی وغیرہ ۔

ابن خلدون نے لکھا ہے ۔ الوراقہ یہ ایک علم ہے ۔ لکھنا ، نقل کرنا ، جلد بنانا یعنی کتابت اور دفتروں کے تمام کاموں سے متعلق ہے ۔[2] چنانچہ ان پیشوں میں بڑے بڑے علماء ، ادباء ، محدثین ، مفسرین ، لغویین اور نحوی نظر آتے ہیں ۔ مثلاً قاضی ابو سعید السیرافی جو چوتھی صدی ہجری کے مشہور عالم ہیں (یہ عدالت عالیہ کے جج تھے) ۔ وہ مجلس عدالت میں اور مجلس درس میں جانے سے پہلے اپنی روزی کمانے کے لیے روز دس ورق نقل کرتے تھے ۔ اس کی اجرت انہیں دس درہم ملتی تھی ۔ جو ان کے مصارف کے لیے کافی تھی ۔[3]

دوسری صدی ہجری ہی سے اہل علم وراقوں کی دوکانوں کا ثبوت ملتا ہے ۔[4] تیسری صدی میں مستقل بازار مشہور ہو گئے تھے ۔ چنانچہ یعقوبی نے لکھا ہے کہ میں نے بغداد میں وراقوں کی ایک سو دکانیں دیکھی ہیں ۔[5] یہ صنعت عام ہوکر اہل علم کی

---

۱ ۔ ابن عبدربہ : العقدالفرید ، القاہرہ ، لجنۃ التالیف والترجمہ ، ۱۹۵۳ء ، ج ۲ ، ص ۱۴۴ ۔

۲ ۔ ابن خلدون : المقدمہ ، القاہرہ ، لجنۃ البیان العربی ، ۱۹۶۲ء ، ص ۹۶۲ ۔

۳ ۔ الخطیب البغدادی : تاریخ بغداد ، القاہرہ ، مکتبہ الخانجی ، ۱۹۳۱ء ، ج ۷ ، ص ۳۴۲ ۔

۴ ۔ معجم الادباء ، ج ۱۲ ، ص ۱۹۲ ؛ تاریخ بغداد ، ج ۷ ، ص ۳۴۳ ۔

۵ ۔ یعقوبی : البلدان ، ص ۱۳ ۔

شکایت کا باعث بھی ہوئی - ایسا ہر زمانے میں ہوتا بھی رہا ہے - عمدہ اہل علم کتابت کرنے والے ، نقل کرنے والے کم ہوتے ہیں ، جب طلب زیادہ ہو جاتی ہے تو مستقل پیشہ ور جلدی میں کام خراب کرتے ہیں اس لیے مشہور مصنفین کو شکوہ رہا ہے - لکھنے والوں اور نقل نویسوں نے ان کی کتابوں کو لکھتے ہوئے بگاڑ دیا -[۱] چنانچہ ابتدا میں نقل نویس اور کتابت کرنے والوں نے اس فن میں بہت کمایا - علم کی کثرت تھی ، نشر و اشاعت کا بازار گرم تھا ، اور ہر شخص کو علم کی طلب تھی - چنانچہ چوتھی صدی کے ایک عالم نے لکھا کہ میں نے صرف نقل نویسی سے پچیس ہزار روپے کمائے -[۲] اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بڑے بڑے علماء نے نقل نویسی کو ذریعہ معاش بنایا ، اس فن کو کمال تک پہنچایا اور بڑی خوبی اور ایمانداری سے اس پیشے کو ترقی دی- چنانچہ چوتھی صدی کے مشہور فلسفی یحییٰ بن عدی کتابیں نقل کرتے تھے - وہ لکھتے ہیں میں نے تاریخ طبری نقل کی اور بہت سے متکلمین کی کتابیں نقل کیں اور کبھی رات دن بیٹھ کر میں نے سو ورق نقل کیے یا اس سے کچھ کم -[۳]

گھروں میں کتابت گھر :

کاتب اور نقل نویس مصنف سے اس کی کتاب کی نشر و اشاعت کا معاہدہ بھی کر لیتے تھے - جس طرح آج کل ہوتا ہے کبھی کبھی کوئی مصنف اپنے گھر میں نقل نویسوں کو رکھ کر کتابت کراتا تھا - برصغیر میں بھی انیسویں صدی کے آخر تک صاحب ثروت یا دستکار گھر میں پریس لگا لیتے تھے - کاتبوں کو گھر پر رکھنے کا طریقہ بھی تھا ، یعقوب بن شیبہ (المتوفی ۲۶۲ھ) نے اپنی تصنیف مسند بے زمانہ تحریر میں ایک مکان میں چالیس لحاف کاتبوں کے لیے رکھے ہوئے تھے، اور کاتب ان کے گھر پر بیٹھ کر کتاب کی

---

۱ - معجم الادباء ، ج ۱۵ ، ص ۱۳ -
۲ - الحلوجی، المخطوط العربی ، ص ۱۳۳ -
۳ - ابن ندیم : فہرست الف ، ص ۳۶۹ -

نقل کرتے تھے ۔[1]

املاء :

شروع ہی سے اساتذہ کا ایک یہ طریقہ رہا ہے کہ استاد بولتے جاتے اور شاگرد لکھتے جاتے ۔ اس طریقے کو املاء کہا جاتا تھا ۔ شروع شروع میں تو یہ طریقہ محدثین اور فقہا میں جاری رہا ، پھر عام ہو گیا ۔ مصنف اور محقق بیک وقت کئی آدمیوں کو اپنی کتاب بول کر لکھا دیتے تھے ۔ بول کر لکھانے کا یہ طریقہ ہر زمانے میں رائج رہا ہے ۔ علم کی اشاعت کے لیے دوسری ہی صدی میں علماء نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا جس کی اس سے پہلے مثال نہیں ملتی ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ بیک وقت سیکڑوں اور ہزاروں نقلیں تیار ہو جاتی تھیں ۔

سب سے پہلے اس طریقے کو محدثین نے اختیار کیا ۔ وہ لکھی ہوئی یا حفظ کی ہوئی حدیثیں بولتے جاتے تھے اور طلباء لکھتے جاتے تھے ۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ اہل علم سے املاء کرنے کے لیے ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع ہو جاتے تھے ۔ لوگ املاء سے پہلے عالم کا نام بھی لکھتے تھے[2] ۔ چنانچہ مامون الرشید کے زمانے میں مشہور عالم الفرا (المتوفی ۲۰۷ھ) نے اپنی کتاب المعانی بہت لوگوں کو لکھوائی جس میں تقریباً اسی قاضی (جج) شریک تھے ۔[3]

اس زمانے میں آج کل کی یونیورسٹیوں اور کالجوں سے زیادہ تعداد طلب علم کے لیے ایک استاذ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھی ، لہٰذا ایسے مشہور مصنف اور استادوں کے جلسوں میں لکھنے والوں کی تعداد چالیس پچاس ہزار اور ایک لاکھ سے زیادہ بھی بیان کی گئی ہے ۔ تاریخ بغداد میں ایسے کئی علماء کی مجلسوں کا حال بیان کیا گیا ہے ۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک عالم کی مجلس میں ہزاروں آدمیوں تک آواز کیسے پہنچتی تھی ، جب کہ اس زمانے میں نہ

---

۱ ۔ الخطیب البغدادی : تاریخ بغداد ، ج ۱۴ ، ص ۲۸۱ ۔
۲ ۔ ایضاً ، ج ۱۴ ، ص ۱۵۲ ۔
۳ ۔ ایضاً ، ج ۴ ، ص ۱۵۰ ۔

مکبر الصوت (لاؤڈ سپیکر) تھے اور نہ آواز تیز کرنے کا کوئی اور ذریعہ موجود تھا ۔ اس لیے اس کام کے لیے مشاہیر علم کی مجلس میں آدمی مقرر ہوتے تھے جو املاء کے لیے جملوں کو بلند آواز سے دہراتے تھے ۔ چنانچہ عام طور پر چار سے سات تک کی تعداد کا تاریخ میں ذکر ملتا ہے ، ایک دفعہ صاحب ابن عباد کی محفل میں صرف ایک دہرانے والا (مستملی) تھا ۔ اس لیے اسے ہر جملہ چھ سات مرتبہ دہرانا پڑا ۔[۱]

سات دہرانے والے (مستملی) تقریباً چالیس ہزار آدمیوں کے لیے کافی ہوتے تھے ، اس طرح آج کی اشاعت اور طباعت کے برابر ایک وقت میں کتاب کے چالیس ہزار نسخے تیار ہو جاتے تھے ۔ ان مجلسوں کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ بعض مجلسوں میں خلیفہ خود شریک ہوتے تھے ، چنانچہ علامہ سلیمان واشجی کی مجلس کے لیے جو خلیفہ مامون کے محل کے قریب تھی ، ممبر کی طرح بلند مقام بنا دیا گیا ، سلیمان اس پر چڑھ کر بیٹھ گئے ۔ ان کے گرد ملازموں کی جماعت تھی ، جن کا لباس سیاہ تھا ، مامون الرشید نے محل کے اوپر کا دروازہ کھلوا کر پردہ ڈلوا دیا تھا ۔ اور خود پردے کے پیچھے بیٹھ کر املاء لکھ رہا تھا ۔[۲]

ابوالحسن الدارقطنی (مشہور مصنف ، محدث) بیان کرتے ہیں کہ میں ابوبکر الانباری (المتوفی ۳۲۷ھ) کی مجلس میں املاء کے لیے حاضر ہوا ، میں نے ایک حدیث کی سند میں حبان کی جگہ حیان سنا ، ابوالحسن کہتے ہیں ، میں جب املاء سے فارغ ہوا تو ان کی خدمت میں گیا اور میں نے اپنا وہم بیان کیا ، مجھے صحیح بات معلوم ہوگئی اور میں چلا آیا ۔ پھر میں دوسرے جمعہ کو ان کی مجلس میں حاضر ہوا ۔ ابوبکر نے مستملی سے فرمایا ، حاضرین کو معلوم ہوگا ، گذشتہ جمعہ میں جب ہم املاء کرا رہے تھے تو اس حدیث میں فلاں نام لکھوایا تھا ۔ اور ہمیں اس جوان نے صحیح بات سے آگاہ

---

۱ ۔ معجم الادباء ، ج ۶ ، ص ۲۵۲ ۔
۲ ۔ تاریخ بغداد ، ج ۹ ، ص ۳۳ ۔

کیا تھا ، وہ اس طرح ہے ۔ اس جوان کو معلوم ہو گیا کہ ہم نے اصل کی طرف رجوع کر لیا اور اس کو اسی طرح پایا جیسا کہ جوان نے کہا تھا ۔[1]

اس طرح املاء کرائی ہوئی کتابوں نے مستقل تصانیف کی شکل اختیار کر لی ، اور بہت سی کتابوں کا نام ہی امالی ہو گیا ۔ یہ امالی اپنے املاء کرانے والوں کے نام سے منسوب ہو گئیں مثلاً ان میں سب سے زیادہ مشہور امالی علی قاری کہلاتی ہے ۔ علی قاری کی وفات ۳۵۳ھ میں ہوئی تھی ۔ یہ قرطبہ کی جامع مسجد الزہرا میں لکھائی گئی ، اور کئی مضامین پر مشتمل ہے ۔[2] اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں ۔[3]

ایک اور جدید علم :

یہ سوال کہ عرب اپنے افکار اور اپنی معلومات کو صفحات پر کیسے منتقل کرتے تھے اور معلومات و حقائق کی ترتیب میں کس نظام کی پیروی کرتے تھے ۔ جب ہم تحقیق کرتے ہیں تو پہلی اور دوسری صدی ہجری کی معلومات تو ہمارے سامنے نہیں ہیں اس لیے کہ اس زمانے کے مخطوطے موجود نہیں ہیں لیکن تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے مخطوطات کی بنیاد پر یہ طریقہ بیان کیا جا سکتا ہے ۔

کتاب بسم اللہ سے شروع کر کے مقدمہ لکھا جاتا ۔ حمد اور صلواۃ کے بعد **کتاب کا نام** ، اس کا **موضوع** اور کتاب کا **مقصود یا** وجہ تالیف لکھتے ۔ پھر ابواب اور فصول کی ترتیب لکھی جاتی ۔

اس طرح یہ مقدمہ ،

(الف) کتاب کا نام ۔

(ب) فہرس ۔

(ج) موضوع اور اس کی تمہید پر مشتمل ہوتا تھا ۔

---

۱ ۔ معجم الادباء ، ج ۱۸ ، ص ۳۰۸ ۔
۲ ۔ کشف الظنون ، ج ۱ ، (الامالی) ۔
۳ ۔ الحلوجی : المخطوط العربی ، ص ۱۵۷ ۔

اور یہ ترتیب بالکل آج کل کی ترتیب ہے ۔ عربوں سے پہلے اور کافی عرصہ بعد تک دنیا اس مقام تک نہیں پہنچ سکی تھی ۔

لکھتے وقت ہر صفحہ پر دائیں بائیں اوپر نیچے حاشیہ خالی چھوڑتے تھے ۔ تمام سطریں برابر ہوتی تھیں ۔ سطروں کے درمیان کا فاصلہ برابر ہوتا تھا ۔ الفاظ اور حروف یکساں ہوتے ۔ دائرے سب کے برابر ہوتے تھے ۔ نقطے لگانے اور حروف کی قسمیں بتا کر ان کے لکھنے کے اصول مقرر کیے ، مثلاً بتایا گیا کہ سطریں اور ان کے الفاظ اس طرح لکھنے سے برابر رہیں گے ، تمام الف ، لام ، کاف اور طوئے کے اوپر کے سرے سب کے برابر ہوں ۔ بالکل اونچے نیچے نہ ہوں ، اس طرح سب صاد ، سین ، نون اور یا کے دائرے بالکل یکساں ہوں ۔ اسی طرح جیم ، عین ، کے نیچے کا موڑ یکساں ہو اس میں کجی نہ ہو ۔[1] دستور یہ تھا کہ ہر صفحے کے نیچے بائیں گوشے پر آگے والے صفحے کا پہلا لفظ درج کیا جاتا تھا اس طرح صفحات مسلسل رہتے تھے اور صفحات کی ترتیب قائم رہتی تھی ۔ کتاب کے خاتمے پر لکھنے والے کا نام یا نقل کرنے والے کا نام ، مقام ، دن ، تاریخ ، مہینہ اور سن لکھا جاتا تھا ۔[2]

---

۱ ۔ ابن دستوریہ ، ابو عبداللہ بن جعفر : کتاب الکتاب ، بیروت ، مطبع الآباء الیوعیین ، ۱۹۲۱ء ، ص ۷۳-۷۴ ۔

۲ ۔ ایضاً ، ص ۷۴ ۔

باب ششم

تالیف و تصنیف کی تحریک

مسلمانوں نے بڑے سائنٹیفک طریقے سے تالیف و ترجمے کی طرف قدم بڑھایا - قرآن شریف شروع میں بغیر نقاط کے لکھا گیا تھا - پھر اعراب اور نقطے لگانے کی ابتدا ہوئی - پہلے ایک دو جگہ نقطے لگے اور تشدید لگائی گئی - پھر عجمیوں کی ضرورت محسوس کرکے اس میں اضافہ کیا گیا - کہتے ہیں نقطے سریانی زبان میں لگائے جاتے تھے - اہل عراق نے ان سے نقطے لگانا سیکھا اور پھر بعد میں یہ طریقہ مدینے سے اندلس میں پہنچا -[1] مدینے میں اس کا رواج ہوگیا قرآن علم ہے ، نور ہے اور اس نے مسلمانوں کو روز اول سے اس کی روشنی حاصل کرنے کی ہدایت کی ، چنانچہ جہاں علم ملا - مسلمانوں نے حاصل کیا - رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصول علم کے لیے چین جانے کی مثال دی تھی - آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خندق کھود کر بیرونی علم درآمد کرنے کی بہترین مثال قائم کی ، لہذا سریانی زبان سے نقطے لے کر علم کی ترقی میں مسلمانوں نے فوری طور پر آسانی پیدا کر دی -

اس انقلابی تحریک نے تالیف و ترجمے کی طرف بڑی تیزی سے قدم بڑھایا ، نقطوں کے مشہور نحوی خلیل ابن احمد نے سب میں یکسانیت پیدا کرکے حرکات کے لیے قواعد مقرر کیے ، پھر کتاب اور اعراب کے قاعدے مدون ہو گئے ، قرآن شریف کی کتابت کے بعد

---

۱ - الدانی ، ابو عمرو عثمان بن سعید : المحکم فی نقط المصاحف ، دمشق - وزارۃ الثقافت ، ۱۹۶۰ء ، ص ۸ -

لوگوں نے احادیث کی کتابت کی طرف توجہ کی اور کچھ فقہی مسائل بھی لکھے ۔ اس طرح نصف صدی میں لوگوں کے پاس اچھا خاصہ ذخیرہ جمع ہو گیا ۔ چنانچہ صرف عبداللہ ابن عباسؓ کے پاس کی کتابیں ایک خچر کے بوجھ کے برابر تھیں ۔

مؤلف :

خالد بن یزید بن معاویہ (المتوفی ۸۵ھ) جو مسلمانوں میں سائنس کا سب سے پہلا آدمی ہے ، جس نے طب اور کیمیا پر کتابیں لکھیں اور آلات کی ایجاد کی طرف توجہ کی ۔ ابن ندیم نے خالد کے صحیفے ، رسائل اور کتابوں کی تعداد بہت زیادہ لکھی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ سب ملا کر تعداد پانچ سو بنتی ہے ۔[1] ابن خلکان نے خالد کے علم کیمیا اور طب پر تین رسائل کا ذکر کیا ہے ۔[2] لیکن ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں سائنس کی اور کیمیا کی ایسی ترقی کہاں ہو سکتی تھی ۔ ابن خلدون کا قیاس غلط ثابت ہوا ۔ خالد کے رسائل اور کتابوں کی فہرست اور تین رسالے علم کیمیا پر یورپ سے اب شائع ہو گئے ہیں ۔[3] ابن جلجل نے لکھا ہے کہ پہلی صدی ہجری میں اتنی کتابیں ہو گئی تھیں کہ ان کے لیے ایک کتب خانہ قائم کیا گیا ۔

درس کے حلقوں کا قیام :

دوسری صدی ہجری میں درس کے حلقے نظر آتے ہیں ، املاء کی مجلسیں نظر آتی ہیں ۔ اس زمانے میں دینی تالیفات کا دور دورہ تھا۔ جن میں مباحث بھی شامل تھے ۔ اب پہلی صدی کی حدود سے آگے بڑھ گئے تھے ۔ اب عالم صرف ایک ہی موضوع پر گفتگو نہیں کرتے تھے بلکہ موضوع سے آگے بڑھ کر بھی گفتگو کرتے تھے ۔ تشریح اور تفسیر بھی کرتے تھے اور متعلقہ علوم کا ذکر بھی آجاتا

---

۱ ۔ ابن ندیم : الفہرست ، ص ۴۹۷-۴۹۸ ۔
۲ ۔ ابن خلکان : وفیات الاعیان ، القاہرہ ، مکتبۃ النہضۃ المصریہ ، ۱۹۴۸ء ، ج ۲ ، ص ۴۹۸ ۔
۳ ۔ غالباً ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئے ہیں ۔ قدسی ۔

تھا مثلاً مفسر کوئی آیت پڑھتا ، اس کے الفاظ کی تشریح کرتا اور اس کے لغات اور مفردات کی شرح کرتے ہوئے قدیم شعراء میں سے کسی کا شعر یا ضرب المثل استدلال میں پیش کرتا ، اور لغات کی تحقیق میں متعلقہ موضوع کی حد سے بھی آگے بڑھ جاتا ۔ عموماً آیت کی تفسیر میں حدیث رسول سے مدد لی جاتی ، اور ایک حدیث سے دوسری حدیث کی طرف منتقل ہو جاتے ۔ اسی میں حدیث کی سندیں ، اور اسماء رجال کی بحث اور تنقید کا بھی بیان ہو جاتا ، یہ طریقہ تقریباً چوتھی صدی تک جاری رہا ۔

ابو حیان توحیدی نے محمد بن کسائی نحوی کی مجلس علمی کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے (یہ تیسری صدی ہجری کا آخر زمانہ ہے) وہ پہلے قرآن شریف کی تلاوت کرتے ، پھر اس کی قرأت بتاتے ، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث حوالہ میں بیان کرتے ، پھر اگر کوئی غریب حدیث ، یا کم مستعمل لفظ آ جاتا تو اس کا بیان کرتے ، اور ان کے شاگرد ان سے اس کے معنی دریافت کرتے اور وہ تشریح کرتے تھے ۔ دنیا میں درس و تدریس اور اس کی تنظیم کا طریقہ اسلام سے پہلے کسی نے بیان نہیں کیا ۔ متذکرہ بالا وہ طریقہ ہے جو آج کل بھی رائج ہے ۔ ابتدا میں نصاب مقرر نہیں تھے ۔ کتابیں لکھی ہوئی نہیں تھیں ، درس کے حلقے بہت نہیں تھے ، اس لئے اساتذہ محدث اور فقہا سوال پر غور کرتے اور پورے استدلال کے ساتھ جواب دیتے ۔ یہ سب کچھ اساتذہ زبانی بیان فرماتے ۔ کبھی ان کے پاس کوئی صحیفہ (کچھ حدیثیں لکھی ہوئی ہوتیں) جو بے ترتیب اور غیر مرتب ہوتیں ، لٰہذا ان کا بیان بھی متنوع اور مختلف موضوعات پر مشتمل ہوتا ۔[1]

اولین تالیفات

تالیف کی ابتدا **حدیث ، تفسیر** اور **مغازی** سے ہوئی ۔ اس کے بعد دوسرے علوم پر لکھا گیا ۔ یہ بالکل فطری طریقہ تھا ۔ قرآن فہمی کے لیے پہلے ان علوم کی ضرورت تھی ۔ یہ علوم خود بھی

---

۱ - الحلوجی : المخطوط العربی ، ص ۲۰۱ ۔

تمام علوم کا سرچشمہ ہیں چنانچہ اول تاریخ اسلام پر لکھا گیا اور اس میں بھی پہلے مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتابیں لکھی گئیں ،[1] اور مواد جمع کیا گیا ، اس کے اولیں مؤلف عروہ بن الزبیر ہیں - وہب بن منبسہ اور محمد بن اسحاق ابن شہاب الزہری نے خلیفہ عبدالعزیز کے فرمانے پر احادیث جمع کیں - یہ دوسری صدی ہجری کا بالکل ابتدائی دور ہے - اس زمانے میں مسانید لکھی گئیں -[2] اس صدی میں احادیث مختلف ابواب کے تحت لکھی گئیں - پہلی کتاب غالباً ۱۴۳ھ میں لکھی گئی تھی - دوسری صدی ہجری میں تو بہت لوگوں نے مختلف تالیفات کیں - کتابیں لکھنے کا مشغلہ عام ہوگیا - یہ تبع تابعین کا زمانہ تھا - علم پھیلتے ہوئے دو نسلیں گزر گئیں تھیں - اب مشاہیر علماء کا دور شروع ہوگیا تھا - لغت ، صرف و نحو ، فقہہ اور تاریخ پر بھی کتابیں لکھی گئیں ،[3] لیکن اس دور کی ابتدا میں سب سے زیادہ قابل توجہ بات یہ تھی کہ امت کو مشکلات القرآن اور مطالب قرآن و حدیث پر عبور حاصل ہو جائے -[4]

دوسری صدی ہجری کے آخر میں لکھنے والوں میں سے دو تین مشہور ترین علماء کی تصنیفات کی تعداد ملاحظہ کیجیے جو حیرتناک ہے - ممکن ہے یہ رسائل ہوں ، یا معمولی ضخامت کی کتابیں ہوں لیکن اس زمانہ میں ایسے لکھنے والوں کی تعداد کافی ہے - ان کی تفصیل ابن ندیم نے اپنی فہرست میں لکھی ہے - جو ۳۷۷ھ میں مکمل کی ہوئی لکھی ہے - ابن ندیم کی فہرست سے ہی مشرق و مغرب میں عربوں کی ہزاروں* کتابوں کا سراغ ملا ،

---

۱ - کشف الظنون ، ج ۲ ، ص ۱۷۴۷ (مغازی) -

۲ - مسانید جمع مسند ، وہ کتابیں جن میں تمام احادیث ایک فصل کی ایک ہی صحابی کی طرف منسوب ہوتی ہیں - پہلی مسند الربیع کی ہے (المتوفی ۱۷۰ھ) - دوسری مسند ابو داؤد الطیالسی (المتوفی ۲۰۳ھ) - تیسری مسند ابن حنبل (المتوفی ۲۳۸ھ) -

۳ - خطیب بغدادی : تاریخ بغداد ، ج ۱ ، ص ۴۰۰ -

۴ - کشف الظنون ، ص ۳۴ ؛ ابجد العلوم ، ص ۱۱۰-۱۱۱ -

بہر کیف دوسری صدی کے آخر تک ابن ہشام کلبی نے ایک سو پچاس کتابیں لکھی ہیں ۔ ابن ہشام کلبی المتوفی ۲۰۶ھ کی کتاب الاصنام اب بھی تمام دنیا میں اعلیٰ ترین کتاب اور اصل ماخذ ہے ، جس کی نظیر نہیں ہے ،[1] اور جو یورپ میں ترجمہ ہو کر اور عربی میں بھی کئی مرتبہ چھپ چکی ہے ۔

سائنس دان جابر ابن حیان ، (المتوفی ۲۰۰ھ) نے تقریباً تین سو رسائل اور کتابیں لکھیں جن میں سے اکثر کو ابن ندیم نے خود دیکھا یا بعض معتبر لوگوں نے دیکھا تھا ۔ ابن ندیم نے لکھا ہے ، جابر کی ایک چھوٹی فہرست ہے ۔ جن میں صنعت وغیرہ پر کتابیں درج ہیں ۔ بہرکیف جابر نے فلسفہ پر ، صنائع اور آلات حرب ، طب اور فلسفیوں کے نقائص پر کتابیں لکھیں ۔ اس طرح چھوٹے رسائل ملا کر ان کی تعداد ہزار سے زیادہ ہو جاتی ہے ۔ منطق و فلسفہ کے علاوہ عبادت، اخلاق اور وعظ پر بھی اس کی کتابیں ہیں ۔[2]

المدائنی (المتوفی ۲۲۵ھ) نے تقریباً تین سو چھتیس چھوٹی بڑی کتابیں لکھی ہیں جن میں تاریخ ، سیرۃ النبی ، تاریخ خلفاء ، فتوحات اور بعض قریش کے شعراء اور عورتوں کے حالات پر مشتمل تھیں ، ان میں مسائل فقہ اور دوسرے مسائل پر بھی تھیں ۔ بقول ابن ندیم بعض ضخیم ہیں اور کئی جلد کی ہیں ۔

درحقیقت امام شافعی ، مدائنی ، جابر اور ابن ہشام اپنے زمانے میں یکتائے روزگار عالم تھے ، جن کی کتابیں آج بھی علم کے حصول میں وہی مقام رکھتی ہیں ، جو بارہ سو سال پہلے تھا ۔ آج بھی ان کے علوم ایسے ہی تازہ ، مستند اور ماخذ ہیں جن سے قطع نظر نہیں کر سکتے ۔ ان کتابوں کے ماخذ نہ یونانی ہیں نہ دوسروں کے علوم ۔ یہ تمام کتابیں قرآنی تعلیم اور اسلامی ثقافت کی علمبردار ہیں ۔

---

۱ - ابن ندیم : الفہرست ، ص ۱۴۰-۱۴۳ ۔

۲ - ایضاً : ص ۵۰۰-۵۰۳ ۔

باب ہفتم

تحقیقی ادارے، کتب خانے، مدارس اور شفا خانے

دنیا میں اسلام سے پہلے تہذیب و تمدن میں قوموں نے جتنی ترقی کی، اس کا نشان ان کے کتب خانوں سے ملتا ہے۔ کتب خانے جامعات اور کلیات کا دل ہوتے ہیں۔ جب تک اعلیٰ کتب خانے موجود نہ ہوں علمی ترقی نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کے کتب خانے دنیا کے لیے علم کا مینار اور اجالا پھیلانے کا مرکز ہی ثابت نہیں ہوئے بلکہ نئے علوم اور ان کی شاخوں میں ترقی کا سبب بھی بنے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ دنیا میں اس سے پہلے کتب خانوں کی ترتیب، تہذیب و تدوین، ان کے قوانین اور ان کی قسمیں جو آج کی ترقی یافتہ دنیا میں پائی جاتی ہیں۔ ان کا تصور بھی قدیم دنیا میں موجود نہیں تھا۔ کتب خانوں میں تمام سہولتوں، تمام انتظامات کے طریقوں اور قاعدوں کے بانی صرف مسلمان ہیں اور انھوں نے ہی تقسیم علوم قائم کی ہے۔

اولین کتب خانہ:

ابن جلجل نے اس پہلے کتب خانے کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی شہادت فراہم کی ہے کہ ماسر جویہ طبیب بصری نے آھر بن اعین القس کی کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ وہ بھی اس خزانے میں تھا۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سرکاری کتب خانے میں اھر بن اعین کی کتاب کا عربی میں ترجمہ دیکھا تو اپنے ساتھ لے گئے اور اپنے مصلا کے نیچے رکھ لیا، اور مطالعہ کے بعد عام مسلمانوں کے استفادے کے لیے کتب خانہ میں رکھ دیا۔[1]

۱۔ ابن ابی اصیبعہ، طبقات الاطباء و الحکماء، ص ٦١۔

طبقات الاطباء سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ پہلی صدی ہجری میں قائم ہونے والا ایسا کتب خانہ نہیں تھا جو صرف خزانۂ شاہی کی طرح بند رہتا ہو - جیسا کہ تمام دنیا میں رواج تھا بلکہ یہ عوام کے استفادے کے لیے تھا ، رفاہ عامہ کے لیے تھا ، اضافۂ علم کے لیے تھا - دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس میں عربوں کی تالیفات ہی نہیں تھیں ، بلکہ سب دانشوروں کے علوم پر کتابیں موجود تھیں - تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ خلیفۂ وقت خود کتب خانہ میں دلچسپی لیتے تھے ، مطالعہ کرتے تھے - چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ وہ اس کے منتظم بھی تھے اور یہ بھی دیکھتے تھے کہ کوئی لغو کتاب تو کتب خانے میں داخل نہیں ہو گئی ہے اور یہ سب وہ باتیں ہیں جو اصولاً موجودہ جدید کتب خانوں کے قاعدوں میں داخل ہیں - اس پہلے قائم ہونے والے کتب خانے میں مفاد عامہ کے تراجم کی کتابیں تھیں اور لوگ اس وقت تک اچھی خاصی کتابیں جمع کرنے میں مشغول ہو چکے تھے - چنانچہ اس پہلی صدی ہجری کے بیان ہی میں ابن خلکان نے لکھا ہے کہ ابن شہاب الزہری (۵۰ھ تا ۱۲۴ھ) جب اپنے گھر میں بیٹھتے تھے تو ان کے چاروں طرف کتابیں ہوتی تھیں اور وہ ان میں مشغول ہو کر سب دنیا سے بے خبر ہو جاتے تھے -[1]

بیت الحکمت بغداد :

دنیا کا سب سے پہلا وہ مشہور کتب خانہ ہے جسے ہارون الرشید نے دوسری صدی ہجری کے شروع میں بغداد میں قائم کیا تھا اور مامون و امین نے اسے ترقی دے کر دنیا کے لیے مینارۂ نور بنا دیا - ہارون الرشید کا ایک بہت بڑا محل تھا ، جس میں یہ قائم کیا گیا تھا - اس میں بہت سے مکان تھے ، حجرے تھے جو خود مستقل مکان تھے - یہ بیت الحکمت کئی کتب خانوں کا مجموعہ تھا - ہر کتب خانہ علمی حیثیت سے کسی نہ کسی خصوصیت کا حامل تھا اور عام طور پر اپنے بانی کے نام سے مشہور تھا - جیسے

---

۱ - ابن خلکان ، **وفیات الاعیان** ، ج ۳ ، ص ۳۱۷ -

خزانۃ الرشید ، خزانۃ المامون ، اس کے بیک وقت کئی کئی خازن (لائبریرین) تھے - اس میں بیٹھ کر تحقیق کرنے والے عالم وظیفہ پاتے تھے - اس میں دارالتصانیف بھی تھے جس میں تألیف ، ترجمہ اور کتابیں نقل کرنے اور کتابوں کی مرمت اور جلد سازی کا کام ہوتا تھا - ہر شعبہ کے منتظم اور نگران ہوتے تھے - جن کے ناموں کی فہرست بڑے مشہور عالموں پر مشتمل ہے - مختلف ادیان ، مذاہب اور مختلف زبانوں کی نایاب کتب جمع کرکے یہاں ترتیب سے مضمون اور زبان کے لحاظ سے اس کے ماہروں کی نگرانی میں رکھی گئی تھیں - اس میں کاغذی ، دفتری ، نقل نویس اور کتاب برداروں کی کثیر جماعت تھی - دارالمطالعہ بھی تھا - اس میں قارئین کی ضرورتوں اور سہولتوں کا خیال رکھا گیا تھا - یہاں تک کہ جن کتابوں کی زیادہ ضرورت ہوتی تھی اور زیادہ پڑھی جاتی تھیں - ان کے کئی کئی نسخے جمع کیے ہوئے تھے -[1] غرض یہ کہ یہاں دارالترجمہ، دارالعلم، دارالکتب، اور دارالتصنیف ، اور دارالمذاکرہ ، اور دارالمطالعہ کے تمام لوازمات موجود تھے - ماہر منشیوں ، دستکاروں کی جماعت بھی تھی ، اور نقل نویس عالم بھی اس میں ملازم تھے -

بیت الحکمت کے سرامین اور سربراہ یوحنا بن ماسویہ تھے ، جو دارالترجمہ کے امین تھے ، اور ہارون الرشید ، امین و مامون سے لے کر متوکل کے زمانہ تک وہ مہتمم ، امین کتب خانہ رہے ، گویا معتصم اور واثق کے زمانہ میں بھی امین رہے -[2]

بیت الحکمت کے حجروں اور قطعات میں بڑے بڑے عالم مقیم تھے - جن کے لیے لکھنے پڑھنے ، تصنیف و تالیف وغیرہ کے کل اسباب مہیا تھے اور ان کو رہنے سہنے اور کھانے پینے کی مکمل سہولت حاصل تھی -

---

۱ - ابن ندیم ، الفہرست - طبع فلوگل ، لیبزگ ، ۱۸۷۱ء ، ص ۲۹۵ -
۲ - الجاحظ ، کتاب الحیوان ، القاہرہ ، مکتبہ مصطفٰی البابی ، ۱۹۳۸ء ، ج ۱، ص ۶۰ -

امیرالمومنین المامون نے مشہور نحوی ادیب اور سائنسدان الفراء سے درخواست کی کہ وہ اصول نحو پر ایک جامع کتاب لکھیں۔ ان کو ایک مکان دے دیا گیا، ملازم اور خدمت گار دیے گئے، اور وہ سب سامان مہیا کیا گیا جس کی ایک انسان کو سکون خاطر کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔ انھیں املاء کرنے والے، نقل نویس اور مددگار عالم بھی دیے گئے۔ چنانچہ وہاں سے انھوں نے اس وقت باہر قدم نکالا، جب کتاب تیار ہوکر اور نقل ہوکر کتب خانہ میں داخل ہوگئی اور لوگوں کے مطالعہ کے لیے رکھ دی گئی۔

خلیفہ مامون الرشید نے ملک الروم کو لکھا تھا کہ آپ کے یہاں قدیم کتابوں کا جو ذخیرہ بند پڑا ہے، ہمیں دے دیجیے۔ بڑی بحث کے بعد پادریوں نے مشورہ دیا کہ فلسفہ کی یہ کتابیں پڑھ کر مسلمان بے دین ہو جائیں گے۔ اس لیے یہ کتابیں انھیں ضرور دے دی جائیں۔ بہرکیف مامون نے عالموں کو بڑے تحفے تحائف اور بیش بہا رقم کے ساتھ بھیج کر یہ مخطوطات منگا لیے۔ اس وفد میں مشہور مترجم جو یونانی اور سریانی زبان کے عالم تھے۔ ابن بطریق، اور بیت الحکمت کے دوسرے نگران مسلمان شامل تھے۔ جزیر قبرص سے بھی فلسفہ کی کتابیں آئی[1] تھیں۔ اس کتب خانہ کے خازن سہل ابن ہارون تھے۔ انھوں نے یونانی زبان سے کتابوں کا ترجمہ کیا۔[1]

محمد بن موسیٰ الخوارزمی بھی کتب حکمت کے خاص طور پر سائنسی شعبے کے نگران تھے۔ انھوں نے بطلیموس کی اصلاح کی اور زیچ بنائی، اس کتب خانے میں مشہور اطباء نے بھی کام کیا اور کتابوں کا ترجمہ کیا۔ چنانچہ طبیب یوحنا بن بختیشوع نے یونانی، اور سریانی سے عربی میں طب کی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ بیت الحکمت کے چند مشہور منتظمین کے نام درج ذیل ہیں۔ یہ لوگ اپنے شعبے کے رئیس اور بہترین مترجم اور مصنف تھے۔ ان کو ہر ماہ پانچ سو دینار ملتے تھے۔[2]

---

۱ - ناجی معروف، اصالۃ الحضارۃ العربیہ، بیروت، دارالثقافت، ۱۹۷۵ء، ص ۱۴۳ -

۲ - القفطی، تاریخ الحکماء، قاہرہ - ص، ۳۰ -

۱ - ابو سہل الفضل بن نو بخت - یہ مختلف مذاہب فکر کے بہترین عالم تھے -

۲ - الشعوبی - یہ نقل نویس تھے اور انساب کے علامہ تھے -

۳ - یوحنا بن ماسویہ (المتوفی ۲۴۳ھ) -
یہ سب خلفاء کے زمانے میں خزائن کتب کے سربراہ تھے - انھوں نے ۲۹ کتابیں طب کی لکھی ہیں -

۴ - حنین بن اسحاق - مشہور مصنف اور مترجم (المتوفی ۲۶۴ھ مطابق ۸۷۳ء) یہ ان تمام کتابوں پر نظر ثانی کرتے تھے ، جو مترجمین ترجمہ کرتے تھے - انھوں نے بقراط اور جالینوس کی کتابوں کی شرحیں اور خلاصے لکھے اور مشکل عبارتوں کو آسان پیرائے میں لکھا -

۵ - سہل بن ہارون - تمام کتب خانوں کے خازن (چیف لائبریرین) (متوفی ۲۱۵ھ)اور مشہور مترجم اور مؤلف -

۶ - یحیٰی موصلی - منجم ، مترجم ، خازن الکتب اور سائنسدان -

۷ - اسحاق بن حنین (وفات ۲۹۸ھ) - طبیب ، فلسفی ، مترجم ، مصنف -

۸ - ثابت بن قرہ - سائنسدان ، مصنف ، ماہر ریاضی ، منطق ، ہیئت اور طب -

۹ - محمد ابو زکریا رازی (المتوفی ۳۱۱ھ)[۱] - طبیب ، مترجم ، فلسفی ، موجد اور ماہر کیمیا - ان کے ہاتھ سے قلم نہیں چھوٹتا تھا - مطالعے ، مشاہدے اور تحقیق ، اور تصنیف و تالیف میں منہمک رہتے تھے -

---

۱ - زکریا رازی کی فہرست کتب یورپ سے پول کراوس نے ۱۹۳۶ء میں شائع کی ہے - ڈھائی سو کتابیں ہیں لیکن اس میں دوسروں کی تصانیف بھی ملا دی ہیں -

۱۰ - یعقوب بن اسحاق الکندی - فلسفی ، سائنسدان ، تراجم کے نگران ، (ان کی کتابوں کی فہرست یورپ سے شائع ہو چکی ہے ، غالباً لیدن سے) -[1]

بیت الحکمت میں سندھ کے ماہر ہندو پنڈت بھی بلائے گئے تھے- جنھوں نے سنسکرت سے کتابوں کا ترجمہ کیا - بودھوں کی اصل کتابوں کا بھی ترجمہ ہوا - ان ترجموں کی وجہ سے سنسکرت کا وہ ادب عربی میں منتقل ہوگیا جو اب ہندوستان میں ناپید ہے - اس لیے کہ قدیم زمانے میں ہندوستان میں پتھروں یا پیتل کے پتوں وغیرہ پر لکھتے تھے -جو کاغذ کی ایجاد سے پہلے بوسیدہ ہوکر ختم ہو گئے- کچھ حصہ البیرونی کے زمانے تک موجود تھا - اس نے تراجم کیے - اس کی وجہ سے کچھ مضامین پنڈتوں تک واپس پہنچے - ہندوستان سے جانے والے عالموں میں کنکا یا منکا نامی ایک شخص بھی شامل تھا جو ہیئت و ریاضی کی مشہور کتاب سدھانتا اپنے ساتھ لایا - بیت الحکمت میں اس کا ترجمہ سند ہند کے نام سے کیا گیا -

بیت الحکمت بیک وقت خزانۂ حکمت ، علمی کتب خانہ ، دارالمطالعہ ، دارالتالیف و ترجمہ تھا ، مستقل اکیڈیمی اور تحقیقی ادارہ تھا - اس کی جامعیت بے مثال ہے - یہ اس زمانہ کے مشاہیر اہل ادب اور اہل علم کا مرکز تھا - نشر و اشاعت کا سب سے بڑا مقام تھا یہاں سے کتابیں نقل ہوکر دنیا میں پھیلتی تھیں اس بیت الحکمت کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس میں **یونانی، سریانی، سنسکرت، مجوسی، عبرانی** ، وغیرہ زبانوں سے اصل علمی کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوگیا - اس طرح **قدیم علوم** اور **یونان کا سرمایہ محفوظ ہوگیا** - یہاں بحث و مباحثہ اور تبادلۂ خیالات کے مواقع بھی فراہم کیے جاتے تھے - یہ دنیا کا نادر بے مثل علمی کارنامہ تھا - جس نے علوم و فنون کی اشاعت میں اور دنیا کی ترقی میں بڑی خدمات انجام دی ہیں - رہتی دنیا تک اس کا نام رہے گا ، اور اس کے بہترین عالموں کا نام بھی اس کے ساتھ صفحۂ ہستی پر روشن رہے گا -

---

۱ - ان مصنفین کی تفصیل کے لیے دیکھیے ، فہرست ، ابن ندیم؛ تاریخ الحکماء ، قفطی ؛ اور البرامکہ ، عبدالرزاق کانپوری -

دوسرے اور کتب خانے قائم ہوئے۔ ان میں سے بعض بہت مشہور اور بے نظیر تھے ۔ چند کا ذکر ذیل میں درج ہے :

خزالة الناصر لدین اللہ :

یہ بہت بڑا کتب خانہ تھا ۔ تباہی کے بعد اس کے ایک لاکھ مخطوطات ، مدرسۃ نظامیہ بغداد ، دارالمسناہ اور رباط خاتونی میں منتقل ہوئے تھے ۔[1]

خزالہ المستنصر :

یہ کتب خانہ بھی بغداد میں تھا جسے خلیفہ مستنصر نے بغداد میں قائم کیا ۔ اس میں سے اسی ہزار کتابیں مجلد مکتبہ مستنصریہ میں منتقل ہوئیں ۔

بغداد کتب خانوں کا شہر تھا ۔ یہاں بے مثل کتب خانے تھے ۔ ہر محلہ اور ہر محل میں قائم تھے ، تمام مساجد میں ، رصد گاہوں میں ، شفا خانوں میں ، مدرسوں میں ، جامعات میں اور لوگوں کے گھروں میں بیت الحکمت کے اثر سے کتب خانے قائم تھے۔ تمام لوگ علمی مشاغل اور علوم میں مشغول تھے ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض لڑائیوں اور ہلاکو خاں کے حملہ کی وجہ سے بغداد کی تباہی میں یہ کتب خانے بھی تباہ ہوگئے۔ اس لیے کہ یہ خلفاء کے قائم کیے ہوئے تھے ، محلات اور قصر میں تھے ، لیکن مساجد ، مدارس وغیرہ کے کتب خانے باقی رہے ۔ ان سے استفادے کا سلسلہ جاری رہا ۔

بیت الحکمت التونسی :

امیر ابراہیم ثانی نے تونس کے شہر رقادہ میں ۲۶۴ھ میں ایک کتب خانہ قائم کیا اور اس کا نام بھی بیت الحکمت رکھا ۔ اسے بیت الحکمت بغداد کی نقل بنانے کی کوشش کی ۔ وہی انتظام اور اسی طرح کے شعبے قائم کیے ۔ زرکثیر صرف کرکے کوشش کی کہ بغداد

---

۱ - تاریخ الحکماء ، ص ۲۶۹ - ۲۷۰ -

کے علماء کھنچ کر آ جائیں - ہر سال بغداد سے بیت الحکمت کی تمام نشر شدہ کتب منگائی گئیں - مصر، عراق اور شام سے علماء کو جمع کیا - یہاں فلسفہ، منطق، جغرافیہ، فلکیات، طب، ہندسہ، حساب اور نباتات وغیرہ پر تمام تراجم اور تصنیفات جمع کیں - آخر ۲۹۶ھ میں اس کتب خانے کو قاہرہ کے بڑے کتب خانے میں منتقل کرلیا گیا - اس کتب خانہ کا نظام اور انتظام بھی بیت الحکمت کی طرح تھا - کتب خانہ کے منتظم، نگران، قیم، مرتب، ناظر کہلاتے تھے - ناظر کا عہدہ سب سے بڑا تھا - چونکہ ان لوگوں کا تعلق صقلیہ اور اطالیہ (اٹلی) سے بھی تھا - اس لیے انہوں نے لاطینی کتب کے بھی تراجم کرائے تھے -

دارالعلم قاہرہ :

فاطمی سلطنت قائم ہونے پر قاہرہ میں بڑے بڑے کتب خانوں کو لا کر ملا لیا گیا - جب صلاح الدین نے قاہرہ فتح کیا تو کہتے ہیں کہ یہ "دارالعلم" ختم کر دیا گیا -

دارالحکمت قاہرہ :

فاطمیوں نے بغداد کی طرح اپنے محلات میں کئی کتب خانے قائم کیے - علوم قدیم کے تراجم تالیفات و تصنیفات سب جمع کیں - کہا جاتا ہے فاطمی خلیفہ کے کتب خانہ میں ہر قسم کی کتابیں تھیں - محلات میں چالیس کتب خانے تھے - ان میں علوم قدیم پر اٹھارہ ہزار کتابیں موجود تھیں -

یہاں بھی بیت الحکمت بغداد کی طرح بہت عمدہ انتظام تھا - علماء، طلباء اور اہل علم دور دور سے کھنچ کر آ رہے تھے - یہ دارالحکمت ۳۹۵ھ/۱۰۰۴ء میں قائم ہوا - اس کا نام دارالعلم بھی تھا اور بیت الحکمت کی نقل میں اس کا نام بیت الحکمت قاہرہ تھا - اور باتوں کے ساتھ اس میں ایک اضافہ یہ تھا کہ یہاں مناظرہ بھی ہوتا تھا - **اس دارالحکمت میں بھی کاغذ، قلم دوات، سیاہی مہیا کرنے کے علاوہ مہمانداری کی تمام سہولتیں موجود تھیں -**

یہ کتب خانہ ۵۱٦ھ میں اشعری اور حلاج کے مذہب پر اختلاف بڑھ جانے کی وجہ سے بند کر دیا گیا تھا ۔ یہاں اچھا خاصہ فتنہ اٹھ کھڑا ہوا تھا ۔ پھر ۵۱۷ھ میں نئے سرے سے اسے دوسری جگہ قائم کیا گیا ۔

خزانتہ الحکمت :

ابوالحسن علی بن منصور منجم (المتوفی ۲۷۵ھ/۸۸۸ء) کا ایک شاندار محل تھا ۔ اس میں یہ کتب خانہ قائم ہوا ۔ اس میں دور دور سے لوگ آ کر مقیم ہوتے تھے اور مختلف علوم حاصل کرتے تھے ۔ اس میں مہمان خانہ بھی تھا ۔ اس کتب خانہ کے مصارف علی بن یحیٰی اپنی جیب سے دیتے تھے ۔

خزانتہ الحکمت میں طلب علم کے سلسلے میں ایک نادر واقعہ یہ پیش آیا کہ اسلامی دنیا کے مشہور منجم ابو معشر خراسان سے حج کے ارادے سے روانہ ہوئے ۔ وہ علم نجوم کی تحقیق اور طلب میں کافی عمر گزار چکے تھے ۔ کسی نے ان سے اس کتب خانے کی تعریف کی ۔ وہ یہاں پہنچ گئے ۔ کتب خانہ دیکھا ۔ نوبت یہ آئی کہ یہیں ٹھہر گئے ۔ حج چھوڑ دیا اور یہاں علم نجوم کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے ، اور اسی میں مشغول ہوگئے ۔ یہیں انتقال ہوا ۔ انھوں نے ایک زیچ بھی تیار کی تھی ، جو بہت مشہور ہے ۔[1]

عوامی کتب خانے :

موجودہ ترقی یافتہ دور میں جنھیں ''کتب خانۂ عام'' یعنی پبلک لائبریری کہتے ہیں ۔ ایسے کتب خانے بھی شروع سے قائم ہوگئے تھے ۔ قیمتی کتابیں خریدنا عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہوتی اور علم کی اشاعت کے لیے کتابوں کا آسانی سے دستیاب ہونا ضروری ہوتا ہے ۔ اس لیے مسلمانوں نے اس طرف بھی خاص توجہ کی اور عام کتب خانے قائم کیے ۔

---

۱ ۔ یاقوت الحموی ، معجم الادباء ، ج ۱۵ ، ص ۱۵۷ ۔

لائبریری سائنس :

چوتھی صدی ہجری تک تمام شہروں میں کتب خانے قائم ہوگئے تھے ۔ ان کی فہرستیں باقاعدہ بنی ہوئی تھیں ۔ بعض کتب خانوں سے پڑھنے کے لیے کتابیں جاری ہوتی تھیں ۔ لوگ کتابیں نقل کر سکتے تھے ۔ (جس طرح آجکل لائبریری میں فوٹو کےلیے یا عکسی یا فلم سازی مشینیں لگی ہوتی ہیں)، ان کتب خانوں میں وہ سہولتیں میسر تھیں ۔ جن کا آجکل تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۔ لکھنے پڑھنے کا سامان ، بعض میں رہائش کا انتظام ، طعام کا انتظام ، کتابیں مفت دینے کا انتظام ، ضرورت مندوں کو وظائف دینے کا انتظام ، یہ سہولتیں کتب خانوں سے وابستہ کرکے لوگوں کو کتابوں سے وابستہ کر دیا تھا ۔ پھر یہ کہ یہ کتب خانے کھلے ہوئے مقامات پر نفیس جگہ ، عام طور پر باغات میں اور محلات میں قائم تھے ۔ ان کے اتنے عمدہ قاعدے ، قانون بنائے گئے تھے جو یقیناً موجودہ دور کا مقابلہ کر سکتے ہیں ۔

شیراز کا کتب خانہ :

عضدالدولہ نے کئی کتب خانۂ عام قائم کیے، جن میں سے ایک شیراز میں قائم کیا ۔ اس زمانہ میں کوئی ایسی کتاب نہیں تھی جو اس کتب خانہ میں نہ ہو ۔ تمام علمی کتابیں اس میں موجود تھیں ۔[1]

رام ھرمز کا کتب خانہ :

ضلع خوزستان میں عضد الدولہ نے ۳۷۰ھ میں قائم کیا تھا ۔

بصرے میں کتب خانۂ عام :

ابن جوزی لکھتے ہیں ، عام کتب خانہ سب سے پہلے بصرے میں قائم ہوا ۔ وہ لکھتے ہیں ۔ جمادی الاول ۴۸۳ھ میں جب بصرے پر تباہی آئی تو یہ بھی جلا دیا گیا ۔[2] ابن اثیر نے لکھا ہے ۔ اسلام

---

۱ - المقدسی ، احسن التقاسیم ، لیدن، مطبع بریل ، ۱۹۰۶ء، ص ۴۴۹ -
۲ - ابن الجوزی ، المنتظم، ج ۹ ، ص ۵۳ -

میں یہ سب سے پہلا عام کتب خانہ تھا ۔ جب عضد الدولہ نے اسے دیکھا تو کہا یہ ہم پر سبقت لے گیا ۔ علم کے پھیلانے میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے تھے ۔ اس لیے اس کی عمومیت ، اہمیت اور شان دیکھ کر اسے رشک ہوا ۔

خزانتہ الوقف بصرہ :

یہ کتب خانہ علی بن ستوار کاتب نے قائم کیا ۔ وہ علم کی تبلیغ میں دیوانہ تھا ۔ اس کتب خانے میں **اشجار ، نباتات اور کتابوں کو کیڑوں سے بچانے کا علم ، اور تہذیب نفس ،** اور انسانی عضورئیس کے اندرونی زخم کی حالت معلوم کرنے کے علوم پر خاص طور سے کتابیں جمع کی گئی تھیں ۔

دارالعلم موصل :

اسے جعفر موصلی نے (جن کا ۳۲۳ھ میں انتقال ہوا) قائم کیا ، یہ کتب خانہ طالب علموں کے لیے وقف تھا ۔ غریبوں کو کتابیں مفت تقسیم کی جاتی تھیں ۔ وظیفے دیے جاتے تھے ۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ **یہ کسی دن بھی بند نہیں ہوتا تھا** ۔ وہ خود اس کا منتظم اور نگران تھا ۔ اس میں بڑی نادر کتابیں اور دیوان تھے ۔ وہ خود ادیب اور شاعر تھا ۔ اس لیے ادب کی اصناف پر یہ مشہور کتب خانہ تھا ۔

کتب خانہ شریف الرضی : (انتقال ۴۰٦ھ) ۔ یہ مشہور شاعر ، کتب خانوں پر بھی شاعری کرتا تھا ۔ اس نے کتب خانہ کی نہایت عمدہ تنظیم کی ۔ یہ لائبریری سائنس کا بانی ہے ۔ یہ طالب علم کی پوری ضروریات کا کفیل تھا ۔[1]

دارالعلم کرخ :

وزیر اردشیر نے ۳۸۱ھ/۹۹۱ء میں قائم کیا ۔ اس میں تمام معتبر علماء کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں جمع تھیں ۔[2] ابوالعلا المعری

---

۱ ۔ خزائن عراق القدیمہ ، ص ۲۳۱ ۔

۲ ۔ معجم البلدان ، ج ۱ ، ص ۵۳۴ ۔

بھی یہاں آیا تھا ۔ دوسرے علماء نے بھی یہاں کتابیں وقف کیں ، طغرل بک نے بغداد فتح کرکے اسے جلا دیا تھا ۔

کتب خانہ مدرسۂ نظامیہ :

یہ ۵۹ ۴ھ میں قائم ہوا ۔ اس میں اور بھی کتب خانے تھے اور کئی نگران مقرر تھے۔ جن کے نام تاریخ میں محفوظ ہیں ۔ نظام الملک طوسی نے اس میں لاجواب کتابیں جمع کی تھیں ۔

چند ذاتی مشہور کتب خانوں کے نام درج ذیل ہیں ، خزانتہ الواقدی ، خزانہ محمد عبدالملک ، خزانتہ الکندی ، خزانہ الجاحظ ، خزانہ ابن ندیم ، خزانہ خطیب بغدادی ، خزانہ ابن النجار ، خزانہ ابن الفوطی ، خزانہ الشریف المرتضلی ۔

قرآن کریم نے ستاروں کو خشکی اور تری کے سفر میں رہنمائی کا ذریعہ قرار دیا ۔ مسلمانوں نے علم ہیئت میں گہری دلچسپی لی ، اجرام سماوی کے مشاہدے کے لیے مسلمانوں نے بغداد ، شام ، قاہرہ اور اندلس وغیرہ میں بڑی بڑی رصدگاہیں قائم کیں ، اور نتائج لکھے ۔

علم ہیئت (Astronomy)، یونانیوں میں یہ علم کلدانیوں سے آیا تھا ۔ عربوں میں یونان سے منتقل ہوا ۔ لیکن مسلمانوں نے رصد گاہیں بنا کر اور آلات ایجاد کرکے اور عملی طور پر مشاہدات اور تجربات کرکے اس علم کو بہت آگے بڑھا دیا ۔ چنانچہ فلکیات میں بغداد کا مدرسہ بے مثل تھا اور اس کی رصدگاہ سب سے بڑی تھی ۔ جہاں بڑے بڑے مہندس اور سائنسدان مطالعے میں مصروف رہتے تھے ۔ بغداد کا یہ مدرسہ نویں صدی ہجری کے وسط تک قائم رہا ۔ (یعنی پندرھویں صدی عیسوی تک) ، یہاں سے ہیئت پر بڑے بڑے رسائل اور کتابیں شائع ہوئیں ۔ البیرونی نے اس کتب خانے سے فائدہ اٹھایا ۔

بغداد فتح کرنے کے بعد ہلاکو خان نے نصیر الدین طوسی کے مشورے سے فلکیات سے متعلق بغداد کا تمام اثاثہ مراغہ منتقل کر دیا تھا ۔ یہاں تک کہ یہاں کے اہل علم ماہر ہیئت دان مراغہ

بھیج دیے گئے۔ اس کے بھائی قبلائی خاں نے بھی بغداد اور قاہرہ کی ہیئت کی کتابیں چین بھیج دی تھیں ۔ چنانچہ چینیوں نے علم فلک پر انھیں کتابوں سے فائدہ اُٹھایا تھا ۔

ماہرین فلکیات میں محمد بن جابر البتانی عرب کے مشہور ماہر فلکیات تھے جنھوں نے رصدگاہوں میں کواکب کا مطالعہ کیا ، کتابیں لکھیں ۔ اور سائنسدانوں کو تربیت دی ، لالند (La Lande) فرانسیسی نے انھیں تمام دنیا کے بیس ماہرین میں شمار کیا ہے[1]۔ البتانی کئی علوم و فنون کے معتبر عالم ہیں ، دنیا کے بارہ (جینیس) عبقری علماء میں شمار ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ بیک وقت طب، فلسفہ، حساب، منطق اور علم نجوم کے عالم اور مصنف ہیں ۔ انھوں نے علم موسیقی کو بھی سائنٹیفک طریقہ سے مرتب کیا ۔ انھوں نے ارسطو کی کتابوں کے ترجموں پر نظرثانی کی ۔ بعض مؤرخین نے انھیں زمانہ وسطیٰ کے ان آٹھ اماموں میں شمار کیا ہے جو علم فلک کے ماہر ہوئے ۔ جنھوں نے ستاروں کی گردش کا مطالعہ کیا ۔ خاص طور پر سورج اور چاند کا زمین کے رشتے سے مطالعہ کر کے بالکل نئے نتائج پیش کیے۔ مشاہدات پر مبنی ان کی کتابوں کا یورپ کی علمی ترقی میں بڑا حصہ ہے ۔ ایک مشہور مستشرق محقق مصنف مسٹر ہولکہ کے بیان کے مطابق دوسری صدی ہجری سے نویں صدی ہجری تک علم ہیئت کے پانچ سو چونتیس (۵۳۴) عالم ہوئے جو دوسرے فنون کے بھی عالم تھے ۔[2]

---

۱ ۔ ناجی معروف ، اصالۃ الحضارۃ العربیہ ، بیروت ، دارالثقافۃ ، ۱۹۷۵ء، ص ۴۵۴ ۔
۲ ۔ ایضاً ، ص ۴۵۵ ۔

باب ہشتم

شفاخانے اور طبی مدرسے

عرب کی ثقافت میں آپ شفاخانوں اور طبی مدرسوں (میڈیکل کالجوں) کی ان گنت تعداد پائیں گے - بڑے بڑے شفاخانے بغداد ، دمشق اور قاہرہ وغیرہ میں قائم کیے گئے- ان شہروں میں شاندار طبی مدارس بنے ، خلفائے بغداد اور سلاطین اندلس نے بھی شفاخانوں اور طبی مدرسوں کے قیام میں حصہ لیا - ان کے قائم کرنے میں وزراء ، امراء اور ان کی بیگمات نے بھی حصہ لیا- ان درسگاہوں کی یہ خصوصیت تھی کہ ان میں نظری اور عملی دونوں طرح کی تعلیم دی جاتی تھی - قدیم اطباء ، طلباء سے فیس نہیں لیتے تھے- عام طور پر تمام شفاخانوں اور تمام اطباء کے مصارف حکومت برداشت کرتی تھی - اطباء طب کے پیشہ کے ذریعے دولت اکٹھی نہیں کرتے تھے - وہ مخلوق کی خدمت میں سرگرم عمل نظر آتے تھے - مشہور طبیب اور سائنسدان ابوبکر الرازی نے ۲۳۷ھ میں طب کی مشہور کتاب ''الحاوی'' لکھی - یہ ایک ضخیم کتاب ہے جو بیس جلد میں شائع ہوئی ہے - طب کے تمام اصول اور نسخوں پر مشتمل ہے - رازی نے دنیا میں سب سے پہلے چیچک اور خسرے کے درمیان امتیاز کیا اور کتاب الجدری والحصبہ کے نام سے ان امراض پر ایک رسالہ لکھا - رازی نے تقریباً ۲۳۷ کتابیں صرف طب میں لکھی ہیں - ان کی ایک کتاب کتاب العین ہے جس میں آنکھ پر مکمل تحقیق ہے ایک اور نامور طبیب ، فلسفی اور سائنسدان **ابو علی سینا** ہیں جنہیں ایویسینا (Avicenna) کہا جاتا ہے اور جو یورپ میں قانون طب

کے باوا آدم سمجھے جاتے ہیں - طب میں کئی کتابیں لکھیں جن میں، قانون (Cannon) بہت مشہور ہے - ابن سینا دنیا کے پہلے شخص ہیں جنھوں نے دماغ کی جھلی کی کیفیت لکھی ہے، (سحایا الحاد) فالج کی حقیقت بیان کی ہے[1] - یورپ کی تمام یونیورسٹیوں میں تین سو سال تک ان کی کتاب داخل نصاب رہی - کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا ، اور اب بھی کوئی نہ کوئی کتاب ابن سینا پر شائع ہو جاتی ہے -

علی بن عیسیٰ کحالی نے جو سرمے کے فن کے مشہور طبیب تھے ، ایک کتاب تذکرۃ کحالین لکھی- اس میں انھوں نے آنکھ کی ایک سو تین بیماریوں کا ذکر کیا ہے - ان اطباء کے علاوہ بھی بہت سے ماہر اور طبیب اور طب کے مصنف گزرے ہیں جن کا تذکرہ اس مختصر کتاب میں کرنا ممکن نہیں ہے -

اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ مسلمانوں نے یونانی اور سریانی سے کن کن کتابوں کا ترجمہ کیا تو اس کے لیے ابن ابی اصیبعہ ، القفطی ، اور ابن جلجل کی تاریخیں دیکھیے[2]- اور اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ عربوں نے کیا کیا علمی کارنامے انجام دیئے تھے جن کو حاصل کرنے کے بعد یورپ نے ترقی کی تو موسیولی بان کی تمدن عرب ، موسیو سدیو کی تاریخ ہسپانیہ ، سارٹن کی تاریخ سائنس کا مقدمہ (جلد اول) ، بریفالٹ کی تشکیل انسانیت ملاحظہ ہو اور اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ شروع سے اب تک یورپ اور امریکہ میں مسلمانوں کے علوم پر کس نے کتنا کام کیا -کس کس ملک میں کیا کیا کام ہوا ، کتنی کتابوں کے ترجمے ہوئے ، کتنی اکیڈیمیاں قائم ہوئیں - کس کس نے کب اور کتنا کام کیا تو المستشرقون کی تین جلدیں مصر سے شائع ہوئی ہیں - وہ ملاحظہ ہوں -

---

۱ - ایضاً ، ص ۳۵۵-۳۵۶ -

۲ - الطب العربی ، ص ۲۲۵ بحوالہ اصالۃ الحضارۃ العربیہ ، ص ۳۵۶ -

باب نہم

اندلس میں علمی ترقی کی معراج

علمی حالت

دنیا میں جتنی ترقی علم اور سائنس میں بغداد نے کی اور مشرقی علوم اور قرآنی تعلیم کو دنیا میں پھیلایا ۔ ہسپانیہ نے بھی اتنی ترقی کی تھی بلکہ بعض مؤرخوں کے خیال میں عربوں نے علمی ترقی مشرق سے زیادہ مغرب میں کی تھی ۔ یورپ کی زیادہ ترقی قرطبہ اور اشبیلیہ کی مرہون منت ہے ۔ دنیا کے دو کتب خانے بے مثل کہلاتے ہیں ان کا رہتی دنیا تک نام رہے گا ۔ علوم و فنون اور ثقافت کی ترقی میں انھوں نے بے نظیر مقام حاصل کیا ہے ان میں سے بیت الحکمت کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ۔ دوسرا جامعہ قرطبہ کا کتب خانہ ہے جو شاہی محل میں قائم کیا گیا تھا اور بے نظیر تھا ۔ ہسپانیہ کا دارالسلطنت قرطبہ دنیا میں کتب خانوں اور اہل علم کا مرکز ہو گیا تھا ۔ اگر قرطبہ کو کتابوں کا گھر کہا جائے تو مناسب ہوگا ۔

معیار امارت

قرطبہ میں علم کے ذوق و شوق کا ایسا بازار گرم تھا کہ وہاں ہر شخص کی امیری کا معیار اس کا ذاتی کتب خانہ تھا ۔ امیر اپنی کتابیں لوگوں کو دکھا کر فخر کرتے اور بہترین جلدیں بنوا کر الماریوں میں سجاتے ۔ گھر کا ہر فرد کتابوں کی اہمیت اور ان کے علم سے واقف ہوتا ۔ قرطبہ میں کتابوں پر فخر کرتے تھے ، ان پر بحث ہوتی ، کوئی نشست مکمل نہیں ہوتی اگر اس میں کتابوں کا ذکر نہ ہوتا ۔ کتابوں کے ذریعے شہرت کا یہ حال تھا کہ امراء

کتابوں کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ فلاں صاحب جن کے پاس فلاں کتاب فلاں مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے - فلاں صاحب جن کے پاس فلاں کتاب کا ترجمہ ہے جو کسی کے پاس نہیں ہے۔ فلاں صاحب جن کے پاس فلاں نادر کتاب ہے یا جنھوں نے اس قدر قیمت دے کر فلاں کتاب حاصل کی ہے[1] - مقری نے حضری کی زبانی بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ میں قرطبہ میں ٹھہرا ہوا تھا ، کتابوں کے بازار میں گیا، برسوں سے مجھے ایک کتاب کی تلاش تھی ، اتفاق سے نہایت عمدہ ، خوش خط مجلد نظر آئی ، میں بہت خوش ہوا، میں نے اس کی قیمت بڑھا دی - آواز لگانے والے نے مجھے کہا اور بڑھائیے ، اب اس کی قیمت حد سے گزر گئی تھی - دوسرے صاحب بڑھ بڑھ کر قیمت بڑھا رہے تھے - میں نے دلال سے کہا ان صاحب کو دکھائیے جو قیمت بڑھا رہے ہیں - میں ان سے ملا وہ لباس سے بڑے رئیس نظر آئے - میں نے ان سے کہا جناب فقیہہ ! اگر آپ کو اس کتاب کی ضرورت ہے تو میں چھوڑ دوں ؟ فرمایا میں فقیہہ (عالم) نہیں ہوں ، نہ میں یہ جانتا ہوں کہ اس کتاب میں کیا ہے لیکن میں نے کتب خانہ بنایا ہے اور میں اسے ایسا شاندار بنانا چاہتا ہوں کہ امرائے شہر کو دکھا سکوں - اس کی الماریوں میں اب ایک کتاب کی گنجائش ہے - میں نے دیکھا یہ بہت نفیس مخطوطہ ہے - اس کی جلد بہت نفیس ہے ، مجھے نہایت پسند آئی ہے ، مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ اس کی کتنی قیمت ہے ، الحمدللہ ، اللہ نے بہت دے رکھا ہے[2] - اس قصے سے یہی معلوم نہیں ہوا کہ چوتھی صدی ہجری میں اندلس کے مسلمانوں کا شوق کتب کتنا بڑھا ہوا تھا بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہاں کتابوں کا بازار تھا اور کتابوں کا نیلام ہوتا تھا - جس طرح آج کل یورپ میں نیلام ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ چوتھی صدی ہجری میں اسلامی ثقافت کتنے عروج پر تھی -

---

۱ - الصلہ فی تاریخ ائمتہ الاندلس ، ج ۱ ، ص ۲۹۹ -

۲ - المقری ، نفح الطیب ، لیدن ، مطبع بریل ، ۱۸۶۱ء ، ج ۱ ، ص ۳ -

قرطبہ کے کتب خانوں اور علمی ترقی کا حال ہم پی اسکاٹ مؤرخ ہسپانیہ کی زبانی لکھتے ہیں جو عیسائی مورخ اور مسلمانوں پر سخت تنقید کرنے والے ہیں مگر اس کے باوجود اسلامی تہذیب و تمدن اور مسلمانوں کی علمی ترقی کی تعریف کرتے ہوئے ان کی زبان نہیں تھکتی ۔ وہ لکھتے ہیں : الحکم (امیر المومنین اندلس) نے ایک کتب خانہ اپنے محل میں قائم کیا تھا ۔ الحکم کو علم سے عشق تھا ، انھوں نے اپنی رعایا کو تفکر ، تفحص اور علمی تحقیق میں مشغول کر دیا تھا ۔ وہ احکام قرآنی کے سخت پابند تھے ۔ شریعت کا احترام کرتے تھے ، اس کی بالا دستی قائم کرنے کو اپنا فریضہ جانتے سمجھتے تھے ، اس کے باوجود وہ ہر علم کے حصول میں کوششیں کرتے تھے، انھوں نے رعایا پر تمام علوم کے دروازے کھول دیے تھے۔ پی اسکاٹ کے بقول "دنیا کا کوئی بادشاہ جس کا نام اس وقت تک تاریخ میں محفوظ ہے ان کے برابر عالم نہیں ہوا ، دنیا کے تمام ممالک میں جہاں تک تہذیب و تمدن کا قدم پہنچ چکا تھا ، ایشیا کے تمام بڑے بڑے دارالسلطنت اور تجارت گاہوں میں بغداد ، قاہرہ ، دمشق ، سکندریہ ، قسطنطنیہ میں ان کے معتبرین متعین رہتے تھے تاکہ ان کے کتب خانوں کے لیے کتابیں تلاش کر کے بھیجیں خواہ کتنی ہی بڑی قیمت کوئی طلب کرے یا کتنی ہی دقتیں اور تکالیف کسی کتاب کے حاصل کرنے میں اٹھانا پڑیں ۔ غرض کتابیں حاصل کرنے کی پوری کوشش کی جاتی تھی ۔ دنیا کا کوئی حصہ ایشیا میں ایسا نہیں تھا جہاں الحکم کے ان تھک محنت کرنے والے نمایندے کتابیں نقل کرنے میں مصروف نہ ہوں یا مصنفین سے خوشامد درآمد کر کے اور لالچ دے کر کتاب حاصل کرنے کی کوشش نہ کر رہے ہوں ۔ مصنفین کو اکثر پیشگی رقم دے کر ان کی تصنیف کا سودا کر لیتے تھے ۔ چنانچہ اس قدردانی کی وجہ سے اور اس شہرت کی وجہ سے دنیا کے گوشہ گوشہ سے ہر شعبۂ علم کا ذخیرہ کھنچ کھنچ کر قرطبہ میں آ گیا اور قرطبہ کا بازار کتابوں کی دولت سے بھر گیا ۔

علم کی قدردانی :

الحکم کے اس شوق اور شغف کا یہ اثر ہوا کہ مطالعہ کا شوق پوری قوم میں رچ بس گیا ، اب باپ دادا کی نسبت سے ملازمت کے لیے علم و ہنر کی سفارش ہونے لگی ۔ دولت کی بجائے علم شہرت کا سبب بن گیا۔ جو شہرت چاہتا اسے کتابوں کا جمع کرنا اور انہیں بغور پڑھنا ضروری ہوگیا ۔ سیاسی نشست ہو یا کھیل کی جگہ ، غرض ہر نشست و برخاست میں کتابوں کا حوالہ ، کتابوں کا ذکر ضرور ہوتا ۔ نادر علمی تحفے الحکم سے ملاقات کا ذریعہ بن گئے ۔

پہلا عوامی کتب خانہ :

الحکم نے یورپ میں سب سے پہلا عوامی کتب خانہ قائم کیا جو منظم ، مرتب اور باقاعدہ قائم ہوا ۔

کتب خانے کا انتظام اور عمارت :

جس عمارت میں کتابیں جمع تھیں وہ ایک شاہی محل تھا ۔ فرش سنگ مرمر کا ، دیواریں چھتیں سنگ رخام کی الماریاں قیمتی لکڑی کی خوشبودار ، ہر الماری پر مضمون کا نام ، جگہ جگہ دیواروں پر مشاہیر کے اقوال سنہری حروف میں لکھے ہوئے تھے تاکہ ان کے نقشِ قدم پر چلنے اور ان جیسا بننے کا جذبہ پیدا ہو ۔ وہ تمام قوانین جو اب انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں جاری ہوئے الحکم کے کتب خانہ میں ان پر عمل تھا ۔

اصول و قواعد :

کتابوں کی تعداد چار لاکھ سے چھ لاکھ تک تھی ۔ فہرستیں مضمون اور مصنف کے نام سے بنی ہوئی تھیں ۔ کتاب کے پہلے صفحہ پر **کتاب کا نام** ، **مصنف کا نام** ، اس کی **تاریخ پیدائش** (اور تاریخ وفات) درج ہوتی تھی یہ سب تدقیق و تحقیق کے ساتھ شاہی علماء لکھتے تھے۔ امیرالمومنین اس کتب خانہ کے خود نگران تھے۔ علم ، تعلیم اور کتب خانہ براہ راست ان کے ماتحت تھا ۔

قرطبہ میں تعلیم جبری تھی - اعلیٰ تعلیم تک مفت تھی - ضرورت مند کو وظیفہ دیا جاتا تھا - تعلیمی قوانین پر ایسا عمل ہوتا تھا اور ایسی پابندی تھی جیسے فوجی قانون ہو - نظام تعلیم اور شہری زندگی میں اخلاق کو بڑی اہمیت حاصل تھی - رفاہ عامہ اور خدا ترسی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جاتا تھا[۱] -

---

۱ - اسکاٹ ، ایس پی ، اخبار الاندلس ، حیدر آباد دکن ، ۱۹۲۲ء ، ص ۶۷۳-۶۸۰ -

باب دهم

مساجد بطور مراکز علم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے ہی مساجد علم کا سب سے بڑا مرکز رہی ہیں ۔ اگر آپ مساجد میں درس و تدریس اور اشاعت علم کی تاریخ پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ قرآن مجید کے نزول کے بعد اسلامی تعلیم کی ابتدا بھی مساجد سے ہوئی ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا ۔ سب سے پہلی مسجد وہ اللہ کا گھر بیت اللہ ہے :

۔ ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

بیت اللہ :

۔ خانۂ کعبہ پہلا مقام ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی فکری اور عملی صورتوں کا مظاہرہ فرمایا ۔ بیت اللہ میں قرآن شریف کی آیتیں پڑھ کر سنائیں ۔ نماز پڑھی ۔

مسجد قبا :

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ کے لیے روانہ ہوئے تو راستے میں قبا میں قیام فرمایا ۔ وہاں آپ نے مسجد کی بنیاد رکھی اور اصحاب کی مدد سے اس کی تعمیر کی ۔ کچھ عرصہ اس میں نماز پڑھی ۔

مسجد نبوی :

۔ پھر مدینہ شریف کے اندر جہاں آپ نے قیام کیا ، اس جگہ

زمین خالی تھی ، اسے خرید کر مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ آپ نے اور تمام صحابہ نے یہ مسجد اپنے ہاتھوں سے تعمیر کی۔ کھجور کے پتوں کی چھت ، اور کھجور کے ستون تھے۔ یہ ہے مسلمانوں کی وہ بابرکت مسجد جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مدنی زندگی میں نمازیں پڑھائیں۔ مسلمانوں کو دین کی تعلیم دی اور امور مملکت کو سرانجام دیا۔ مسجد سے متصل آپ کا حجرہ تھا ، جس کا دروازہ مسجد میں تھا۔ اس پر ایک پردہ پڑا رہتا تھا۔ یہیں آپ آرام فرماتے تھے۔

منبع ثقافت :

مساجد ہمیشہ سے مسلمانوں کی ثقافت کا منبع اور مرکز رہی ہیں۔ مسلمانوں کے تمام شہروں میں جتنی مساجد بنیں اکثر میں دارالعلوم اور کتب خانے قائم ہوئے۔ وہ اہل علم کا مرجع رہیں۔ تمام علمی مسائل انھیں میں طے ہوتے تھے۔ کوئی فن ، کوئی ہنر اور علم ایسا نہیں تھا ، جس پر گفتگو اور بحث کے لیے مسجد سے بہتر جگہ قائم ہو۔ یہاں تفسیر ، علم حدیث ، تاریخ اور تصوف کے علماء نے بیٹھ کر تصانیف کیں۔ چنانچہ دنیا میں **مکہ** ، **مدینہ** ، **بغداد** ، **مصر** ، **بصرہ** ، **دمشق** ، **قیروان** (افریقہ) ، **سامرا** ، **بخارا** ، **اصفہان** اور **اندلس** کی مساجد میں جامع قرطبہ وغیرہ ہر لحاظ سے مسلمانوں کے علوم و فنون اور صنعت و صناعی، ایجادات و انکشافات کا مرکز رہی ہیں۔ مساجد کی بناوٹ ، سجاوٹ ، حوض ، باغ ، اطراف کا حال نور و سرور کا منظر پیش کرتے ہیں۔ پاکیزگی ، تقدس ، مساوات ، محبت ، اخوت اور انکساری کے ماحول میں بے لوث خدمت کا جذبہ ابھرتا ہے[1]۔ یہ تھیں قرون اولیٰ کی مسجدیں جو سجدہ گاہ ، درسگاہ بھی تھیں اور افراد جماعت کی بہترین تربیت گاہ بھی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد کے تقدس ، احترام اور ان کی مرکزیت کا شروع سے بڑا خیال فرمایا ہے۔ مساجد میں اگر شمع

۱۔ ابن الجوزی ، عبدالرحمان ، المنتظم فی تاریخ الملوک والامم ، حیدر آباد دکن ، ۱۳۵۷ھ ، ص ۲۶۶۔

علم روشن ہوتی ہے تو یہ اسی وقت ممکن ہے کہ ان کے آداب اور نظم کا جو طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی ہدایات کی روشنی میں بتایا ہے ، اس پر عمل کیا جائے ۔ مساجد صرف **صلاح** اور **فلاح** کی دعوت کا مقام ہیں ۔ ان سے وہی فیضیاب ہو سکتا ہے جو بے لوث اور بے ریا ہے ۔ اللہ کی عبودیت میں سر بہ سجود ہے ۔ لیکن نفس انسانی مسجد کو بھی اپنی ریاکاری، نام و نمود اور شہرت کے لیے یا اپنی فتنہ پردازی اور سازش کے لیے استعمال کرنے سے باز نہیں رہتا ۔ اسلام نے اسی لیے بڑی واضح ہدایت دی ہے اور اسوۂ حسنہ کی پیروی سے ہمیں خود معلوم ہو جاتا ہے کہ ہمیں کیا طریقۂ کار اختیار کرنا چاہیے ۔

اصحاب صفہ :

مسجد نبوی میں کچھ حجرے بنے ہوئے تھے ۔ جن میں اصحاب صفہ رہتے تھے ۔ یہ شمع رسالت کے پروانے اور فنافی العلم فقراء تھے ۔ جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کیا ، اور آپ کے احکام اور علم کی اشاعت اور تبلیغ کا کام انجام دیا ۔ ان بزرگوں نے اپنی پوری زندگی اشاعتِ علم اور تبلیغ دین کے لیے وقف کردی تھی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدینے کے جتنے فقیہہ ، محدث اور عالم ہوئے ، انھوں نے مسجد نبوی میں درس دیا، فتوے دیے اور شروع میں یہی مسجد تمام دنیا کے لیے علمی اشاعت کا مرکز رہی ۔ یہ فقہاء اور محدث مسجد کے ستونوں کے قریب بیٹھ جاتے اور لوگ ان کے گرد جمع ہوکر ان سے فیض حاصل کرتے ، اعلیٰ تعلیم اور مسائل سمجھتے ۔ جب امام مالک تعلیم سے فارغ ہوگئے تو مسجد نبوی میں درس وافتاء کے لیے مجلس شروع کی ۔ امام مالک فرماتے ہیں :

”جو شخص مسجد نبوی میں درس دینے اور فتوے دینے کے لیے بیٹھتا ہے ، اسے اس سے پہلے اہل صلاح اور صاحبان فضل سے مشورہ کر لینا چاہیے، اور انھیں اپنی مجلس کا مقام بھی طے کر لینا چاہیے۔ اگر وہ اسے اس مجلس کا اہل سمجھیں تو بیٹھ جائے ورنہ

نہیں ، چنانچہ میں خود اس مسند پر نہیں بیٹھا ۔ یہاں تک کہ اہل علم میں سے ستر علماء نے شہادت دی کہ میں اس منصب کا اہل ہوں ۔[1]"

یہ تھے اس درسگاہ کے اولین علماء جنھوں نے مسجد نبوی میں بیٹھ کر تمام دنیا کو نورِ علم سے روشن کیا اور علم دین سے دور دور سے آنے والوں کو آراستہ کرکے اطراف عالم میں بھیجا ۔ یہی وجہ ہے کہ مساجد کو ہمیشہ مسلمانوں کی ثقافت میں سب سے زیادہ بلند مقام حاصل رہا ہے اور ان کا احترام بھی رہا ہے ۔

عورتوں کو حاضری کا حکم :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجد میں آنے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی ۔ عورتیں عہد نبوی میں باجماعت مسجد نبوی میں نماز بھی پڑھتی تھیں ۔ عیدین کے موقع پر ان کو عیدگاہ کی طرف نکلنے کا حکم بھی ہوا تھا اور وہ بھی بالکل عمومیت کے ساتھ ، جس میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعی طور پر اور ذمے داری کے لحاظ سے دونوں کو برابر رکھا ہے ۔ ہر ایک اپنے اعمال کا جواب دہ ہے اور ہر ایک پر علم حاصل کرنا فرض ہے ۔ خواہ وہ عورت ہو یا مرد ، عورتوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنی نسوانیت کا مظاہرہ نہ کریں ۔ نہ خود نمائی کریں ، نہ زینت دکھائیں ، نہ پازیب بجائیں تاکہ لوگ خوانخواہ ان کی طرف متوجہ نہ ہوں ۔ اسی طرح بالکل سادگی کے ساتھ آئیں ۔ جیسے دوسرے آتے ہیں ۔ دوسروں سے خود کو ممتاز کرنے کی کوشش نہ کریں ۔ غیر معمولی حرکات نہ کریں ۔ چنانچہ آپ نے **"خوشبوئیں لگا کر آنے سے منع فرمایا ۔"**

اس کی وضاحت امام نووی نے جس طرح فرمائی ، وہ اس حقیقت کی تشریح ہے ، وہ لکھتے ہیں :

"عورتوں کو مسجد سے روکا نہ جائے گا ، بشرطیکہ وہ ان

---

۱ ۔ ابو زہرہ ، امام مالک ترجمہ عبیداللہ قدسی ، لاہور ، غلام علی اینڈ سنز ، ۱۹٦۰ء ، ص ۵۹ ۔

قیود و شرائط کی پوری پابندی کریں جو احادیث سے ماخوذ ہیں ۔ مثلاً کپڑوں میں خوشبو نہ لگائیں ۔ بن سنور کر نہ آئیں ۔ ایسا پازیب جس سے آواز ہو ، نہ پہنیں ۔ مردوں سے اختلاط نہ ہو ۔ اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ ایسی نہ ہوں جس سے کسی طرح کے فتنہ کا اندیشہ ہو اور ہر طرح کے فساد سے بے خوف ہوں ۔"[1]

عورتیں اور مرد جب علم و عمل ، تربیت ، اخلاص اور عبادت کے لیے جمع ہوں تو ذہنی اور عملی حیثیت سے دونوں کی توجہ مقصود نظر کی طرف ہونا چاہیے۔ مسجدوں میں ، مجلسوں میں ، بازاروں میں اور مقدس مقامات کے لیے عورتوں پر کوئی پابندی نہیں ہے ۔ بغیر باہر نکلے اور جماعت میں آئے نہ تو علم کو فروغ ہو سکتا ہے اور نہ انسانوں کی نصف آبادی میں علم کی روشنی پھیل سکتی ہے ۔ وہ ماؤں بہنوں اور بیویوں کی آبادی جو علم اور تربیت کے لیے گہوارہ کی حیثیت رکھتی ہے اور انھیں کے اعمال و اشغال اور خیالات اور زبان کا نئی نسل کے ذہن پر اب نقش جمتا ہے ، جس کو کوئی ماہر نفسیات بھی نہیں مٹا سکتا ۔ عورتوں کی تعلیم و تربیت ، تجربے اور مشاہدہ کے بغیر کبھی ترقی نہیں ہوگی ۔ اس لیے مقدس مقامات میں جو تعلیم و تربیت کا سرچشمہ ہیں ۔ عورتوں کو حاضری اور شرکت سے روکنا نقصان دہ ہی نہیں بلکہ اسلامی روح کے منافی ہے اور شرعی حکم کے خلاف ہے ۔ البتہ کسی زمانے میں کوئی خلاف شرع عمل ہو تو اس پر پابندی لگانے میں حرج نہیں اور ایسی پابندی مردوں پر بھی لگائی جائے گی لیکن عورتوں کو روکا نہیں جا سکتا ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو باہر نکلنے کی صورت میں توجہ مبذول کرانے والی زیب و زینت اور سامان توجہ کے طور طریقوں سے منع فرمایا ہے ۔ لیکن قرآن مجید میں مردوں اور عورتوں دونوں کو علیحدہ علیحدہ

---

۱ ۔ نووی ، شرح مسلم ، ج ۱ ، ص ۱۸۳ ۔

مساوی طور پر ہدایت کی گئی ہے۔ مرد عورتوں کی طرف متوجہ نہ ہوں اور اپنے کام سے کام رکھیں :

''آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں''۔اور ''آپ مسلمان عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں ، عصمت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کا حصہ نمایاں نہ کریں ۔''

ان آیات میں عورتوں کے لیے ایک ہدایت کا اضافہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنی زیب و زینت کو نمایاں نہ کریں یعنی کوئی حرکت ایسی نہ ہو - جس سے وہ مردوں سے ممتاز ہوں اور لوگوں کی توجہ کا مرکز بنیں ۔

---

۱ - قرآن مجید ، سورۃ النور ، (۲۴ : ۳۰-۳۱) ۔

باب یازدہم

علومِ اسلامی کا اثر یورپ پر

قرآن مجید میں تمام پچھلی امتوں اور قوموں کی تعلیم ، ان کی خرابیاں اور ان کی اصلاح کا حال بیان کیا گیا ہے - جو رہنما ، ہادی اور پیمبر آئے ، ان کی تعلیمات اور مشکلات کا ذکر ہے - انسانوں کو ترقی اور اصلاح کی راہ میں کن کن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے اور کامیابی کس طرح ہوتی ہے ، اس تمام زندگی میں کامیابی اور کامرانی کے کیا اصول ہیں ؟ یہ سب کچھ قرآن میں بتایا گیا ہے -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کی امت کو ان تمام حالات سے باخبر کیا گیا - آئندہ زندگی کے لیے لائحہ عمل اور ضابطۂ حیات دیا گیا تاکہ وہ لوگوں کے سامنے ایک کامیاب سوسائٹی ، ایک نظام زندگی قائم کرکے مکمل نمونہ پیش کر دیں - انسانوں کو ظاہر و باطن کی اصلاح سے معراج انسانیت کی راہ پر لگا دیں - ان کا کام یہ ہے کہ وہ ایک ایسی امت بنا دیں جو اپنی زندگی کا نظام اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر قائم کرے اور دنیا کی اصلاح کے لیے جد و جہد جاری رکھے -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض ہی یہ قرار دیا گیا تھا کہ وہ تعلیم و تربیت سے قوم کو نمونہ بنا دیں - آپ کی تشریف آوری کا مقصد ہی یہ تھا کہ دنیا میں **انسان** ، **اللہ** اور **کائنات** کا رشتہ اتنا واضح ، محکم ، اور استوار کر دیں ، جس کے بعد ہر انسان ترقی کی منزلیں طے کرکے اپنے مقام تک پہنچ جائے کہ گویا وہ

اللہ تعالیٰ کا نائب ہے اور اس کی طرف سے اس کائنات کو مسخر کرکے اور سنت اللہ کی معرفت حاصل کرکے خلافت کی تمام خدمت انجام دے رہا ہے - یہ ہے انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا مقام - اسی لیے کہا گیا ہے ''ہم نے انسان کو بہترین تخلیق بنایا ہے''- مسلمانوں نے ابتدا ہی سے علوم و فنون کے حاصل کرنے میں زندگی لگا دی اور تمام دنیا میں ہلچل مچا دی - عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا - تمام دنیا کے علوم حاصل کیے اور ان میں اتنی ترقی کی کہ ثقافت اور سائنسی ترقی دو تین صدیوں میں کمال تک پہنچ گئی ، زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی شعبہ علمی اثر سے خالی نہیں رہا -

سب سے پہلے علوم قرآن کی طرف توجہ کی ، پھر علوم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے ، اور پھر معاشرت ، معیشت وغیرہ کے نظری اور عملی علوم و فنون میں ترقی کرکے نئے نئے علوم و فنون اور مختلف شعبوں کو ترقی دے کر دنیا کے لیے آسودگی کا سامان فراہم کیا - ہم چند الفاظ میں اہل یورپ کے محققین کے اعتراف کی نشاندہی کرکے سرسری طور پر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بعض مؤرخین نے مسلمانوں کی ترقی کی تاریخ کو مسخ کرکے پیش کیا ہے - حالانکہ یورپ کی موجودہ ترقی مسلمانوں کے علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کا ثمرہ ہے - اب بھی علم و اخلاق کے بعض گوشوں میں یورپ بہت پیچھے ہے - یورپ کا ایک محقق لکھتا ہے :

''راجر بیکن کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں کہ مسیحی یورپ میں اس کا شمار اسلامی سائنس اور منہاج سائنس کے مبلغین میں ہوتا ہے - وہ یہ کہتے ہوئے کبھی نہیں تھکا کہ اگر اس کے معاصرین کو سچ مچ علم کی تلاش ہے تو انھیں چاہیے کہ عربی زبان اور عربی علوم حاصل کریں -''

منہاج تجربی ، مسلمانوں کی ایجاد ہے - لیکن یہ بھی نمونہ ہے ، عیسائیوں کی زبردست غلط بیانیوں کا ، جو مغربی تہذیب کے ماخذ کے بارے میں کی جاتی ہیں - اس لیے کہ جب بیکن کا زمانہ آیا تو

عربوں کا تجربی منہاج سارے یورپ میں پھیل چکا تھا اور لوگ بڑے اشتیاق سے اس کی طرف بڑھ رہے تھے :

''سب سے بڑی خدمت جو عربی تہذیب و ثقافت نے جدید دنیا کی کی ہے ، وہ سائنس ہے. . . . لیکن یہ صرف سائنس ہی نہیں ہے جس سے یورپ کے اندر زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی - اسلامی تہذیب اور تمدن کے اور بھی طرح طرح کے اثرات ہیں - جن سے پہلی دفعہ یورپ نے زندگی کی رونق حاصل کی - مغربی تہذیب کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس سے اسلامی تہذیب و ثقافت کے فیصلہ کن اثرات کا پتہ نہ چلتا ہو - لیکن اس کا سب سے بڑا اور روشن ثبوت علوم طبیعیہ اور روح علم کے ظہور سے ملتا ہے -''

''پھر اگر ہم علوم طبیعیہ میں عربوں کے مرہون منت ہیں تو اس لیے نہیں کہ انھوں نے بڑے بڑے انقلاب آفریں نظریوں کی بنیاد رکھی - بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ سائنس کے وجود کے لیے ہم عربوں کے احسان مند ہیں -''

''اہل یونان سائنس اور اس کی روح سے آشنا نہیں تھے - ان میں تجربات اور مشاہدات کے لیے مستقل محنت اور صبر کی قوت مفقود تھی - للہذا ہم جسے سائنس کہتے ہیں - یورپ میں اس کا ظہور تحقیق و تفتیش کی جس نئی روح کی بدولت ہوا ، وہ نتیجہ تھی اس کے نئے نئے **منہاجات تحقیق** ، **منہاج تجربی** ، مشاہدات ، پیمائش اور ریاضی کی ایک ایسی شکل میں نشو و نما کا جس سے دنیا سرتاسر بے خبر تھی - یہ نئی روح اور نئے منہاجات یورپ میں عربوں ہی کے ذریعے پھیلے -''[1]

ہند و یونان اور تمام دنیا کے لوگ سمجھتے تھے کہ زمین دنیا کا مرکز ہے اور تمام ثوابت و سیار کے ساتھ افلاک زمین کے

---

۱ - بریفالٹ ، تشکیل انسانیت (بحوالہ اقبال ، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ) ، صفحات ۱۹۹-۲۰۱ -

گرد گھومتے ہیں ۔ مسلمانوں نے اس کا بطلان کیا ۔ انھوں نے زیچ بنائی ، پھر اصطرلاب بنایا اور کمپاس (بوصلہ) کو بحریہ میں استعمال کیا ۔ ان دو چیزوں کی ایجاد نے تجارتی اور اقتصادی دنیا میں ایک نیا انقلاب پیدا کر دیا اور دنیا کی روانی میں اور تیزی پیدا ہو گئی ۔

باب دوازدهم

مغرب پر عربی علوم کے اثرات

اس مختصر سی مدت میں مسلمانوں کے علوم سے فائدہ اٹھا کر دنیا اس تیزی سے کیسے ترقی کر گئی، اس پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے لیے یورپ کے محققین کی کتابوں سے حوالوں کے ساتھ کچھ اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ فرانس کے مشہور مصنف موسیو لی بان اپنی ضخیم کتاب تمدن عرب میں لکھتے ہیں:

''تاریخ سے ثابت ہے کہ قدیم اقوام سے لے کر اب تک کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس کے کل اجزاء نے مساوی طور پر ترقی کی ہو''۔

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں۔

''اقوام کی ترقی اور تنزل کا حقیقی سبب ہر قوم کے خصائل و خصائص ہیں جو اسے وراثت میں ملتے ہیں''

قومیت کے اس نظریے نے یورپ کی اقوام ہی کو نہیں بلکہ تمام دنیا کے تمدن کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا اور انسانی وحدت کے کے لیے کوئی مقام اتحاد باقی نہیں رہا۔ اہل یورپ دوسری قوموں کے استحصال میں متحد ہو سکے۔ مغربی اہل علم جب مسلمانوں کی تاریخ پڑھتے ہیں تو انھیں حیرت ہوتی ہے کہ عرب قبائل جن کے خصائل میں جنگ اور فساد داخل ہو گیا تھا اور انفرادی غرور اور قتل و غارت گری جن کی سرشت بن گئی تھی وہ چند سال کے اندر متحد، با اخلاق اور صاحب اخلاص کیسے بن گئے۔ اہل یورپ تثلیث

مین گرفتار رہے ۔ انھوں نے توحید باری تعالٰی کو قبول نہیں کیا اور نہ وہ فوج در فوج مسلمان ہو سکے اور نہ دل سے نوع انسانی کی یک جہتی اور ہمدردی کا عقیدہ پیدا کر سکے ۔

اہل یورپ اگر یہ سراغ پا لیتے کہ اسلام بنی نوع انسان کے لیے کیوں رحمت ہے اور وہ ملک ، قوم اور نسل اور زبان کے اختلاف کو اہمیت نہیں دیتا بلکہ اسلام سارے جہان کے انسانوں کے لیے **آزادی ، مساوات ، عدل** اور **علم** کو ان کا حق سمجھتا ہے ، خواہ کوئی انسان کمزور سے کمزور ہو ، سیاہ فام ہو ، یا تنہا بے یار و مددگار ہو ۔ وہ بڑے سے بڑے آدمی کے برابر حق رکھتا ہے بلکہ اسلامی قانون میں جو کمزور ہے وہ زیادہ قوی ہے ، یہ توحیدی مذہب ہے جس نے تمام دنیا کو اس سرے سے اس سرے تک ایک کر دیا ۔ **موسیو لی بان** نے حقائق کو تلاش کر کے مسلمانوں کے علوم کا اثر یورپ پر پیش کرنے میں بڑی جدوجہد کی ہے ۔

وہ لکھتے ہیں :

''اسلام ایک صدی کے اندر اندر دریائے سندھ سے اندلس (اسپین) تک پھیل گیا ۔ اور ان تمام شہروں میں جہاں اسلامی پرچم لہرایا تھا ، ایک حیرت انگیز ترقی نظر آتی ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے اعتقادات اور علوم طبیعی کے مسائل میں پوری موافقت ہے ۔ ان میں کوئی تضاد نہیں'' ۔

دوسری وجہ انھوں نے توحید بتائی ہے ، وہ لکھتے ہیں :

''دنیا کے مختلف ملکوں اور قوموں کے مسلمانوں کو دو چیزوں نے بالکل ملا دیا ۔ ایک عربی زبان اور دوسرا حج بیت اللہ ، ہر فرقہ اور ہر زبان کے مسلمان قرآن مجید عربی میں پڑھتے ہیں ۔ کچھ حفظ کرتے ہیں ، کچھ الفاظ جانتے ہیں ، اس لحاظ سے سب کی زبان عربی ہے ۔ اسی طرح حج بیت اللہ میں سب ایک ہو جاتے ہیں ۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان میں ایک اندرونی رشتہ ایسا قائم ہے کہ جب ضرورت پڑے تو سب آسانی سے

ایک پرچم ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کے نیچے جمع ہو سکتے ہیں ۔[1]''

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

''تاریخ عالم میں کسی قوم کے تسلط کی اس سے زیادہ صاف اور کھلی ہوئی مثال موجود نہیں ہے کہ ان تمام اقوام نے جن سے عربوں کو کام پڑا وہ چند روز کے لیے ہی کیوں نہ ہو ، انھوں نے عربوں کے تمدن کو قبول کر لیا ، اور جب ان کی حکومت پر دوسری قوم قابض ہو گئی تو فاتح قوم نے (جیسے ترک اور مغل) عربوں کے تمدن کو اختیار کر لیا اور وہ دنیا میں مفتوح قوم کے تمدن کی اشاعت کے حامی اور سرپرست بن گئے ۔ اگرچہ مسلمانوں کا تسلط کئی صدیوں سے ختم ہو چکا ہے (انیسویں صدی کی تاریخ پیش نظر ہے) لیکن دریائے سندھ، مشرق بعید ، چین تک اور بحر متوسط ، ریگستان اور افریقہ تک بغیر کوشش کے اسلام کا مذہب جاری ہے ۔''

انھوں نے تحقیق کر کے لکھا کہ :

''دنیا میں سب جگہ مسلمانوں کی ترقی اور ان کے علوم سے روشنی پھیلی ہے ۔''

چنانچہ لکھتے ہیں :

''سدی یو نے اس واقعہ پر بہت زور دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ البیرونی (المتوفی ۱۰۲۱ء) نے بہت سی علمی کتابوں کے انتخابات ہندوؤں کے لیے کیے ، اور ان کو ہندوؤں نے اپنی عادت کے مطابق سنسکرت میں ترجمہ کر کے منظوم کر لیا ۔''

اس کے بعد لکھتے ہیں ۔

---

۱ ۔ گستاؤ لی بان ، تمدن عرب (اردو ترجمہ) ، حیدر آباد دکن ، ۱۹۳۶ء ، ص ۱۲۲ ۔

چین میں علوم :

چینیوں نے جو کچھ عربوں سے لیا وہ اس سے بھی زیادہ ہے جو ہندؤوں نے ان سے اخذ کیا ۔ ۔ ۔ ۔ علوم عربی چین میں بھی پہنچے اور کوشو کنگ چین کے مشہور ہیئت دان نے ۱۲۸۰ء میں ابن یونس کی ہیئت کی کتاب کو چین میں شائع کیا ۔ عربی فن طبابت ۱۲۱۵ء میں قبلائی خان کی فوج کشی کے زمانے میں (چین میں) میں جاری ہوا ۔[1]

یورپ پر مخصوص اثر :

وہ لکھتے ہیں :

''عربوں کا علمی اور ادبی اثر مغرب کی سر زمین پر بھی اتنا ہی ہوا جتنا مشرق میں ہوا ، اور ان ہی کی بدولت یورپ نے تمدن حاصل کیا ، فرق یہ ہے کہ مشرق میں مذہب اور زبان پر اثر ہوا ، اور مغرب میں علوم و ادب پر بے حد اثر ہوا ۔[2]''

''جب پہلی مرتبہ عربوں کا علم و ادب یورپ میں آیا اس وقت کی حالت یورپ کی دیکھیے تو معلوم ہوگا اس وقت ہمارے (یورپ کے) علم و ادب بڑے بے ڈھنگے قید خانے تھے جہاں امراء اپنی نیم وحشی حالت میں رہتے تھے ، اور اس پر فخر کرتے تھے کہ انھیں لکھنا پڑھنا نہیں آتا ۔ عیسائیوں میں سب سے زیادہ با علم وہ بیچارے جاہل راہب تھے جو اپنے وقت کو خانقاہوں کے کتب خانوں سے یونان و روم کی پرانی تصانیف نکال کر ان کو چھیلنے اور ان چرمی ورقوں پر اپنی مہمل مذہبی تصانیف لکھنے میں صرف کرتے تھے ۔''

''جس وقت چند روشن خیال اشخاص کو اس جہالت کے کفن

---

۱ ۔ تمدن عرب ، ص ۵۱۱ ۔ ۵۱۲ ۔

۲ ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یورپ میں عیسائی مذہب تھا جسے اسلام رد نہیں کرتا اور مشرق میں لادینیت تھی (قدسی) ۔

پھاڑنے کی ضرورت معلوم ہوئی تو انھوں نے عربوں کی طرف جو اس زمانے کے اساتذہ تھے ، رجوع کیا ۔ چنانچہ ۱۱۳۰ء سے طلیطلہ میں لاٹ پادری ریمانڈ کی نگرانی میں ایک مدرسہ مترجمین کا قائم ہوا ۔ اس نے تمام مشہور عربی تصانیف کا لاطینی میں ترجمہ شروع کیا ۔ یورپ کی آنکھوں کے آگے ایک نئی دنیا نظر آنے لگی اور بارہویں تیرہویں اور چودہویں صدی تک انھوں نے اس ترجمہ کو جاری رکھا ۔ انھوں نے عربی سے ان کتابوں کا ترجمہ بھی لاطینی میں کیا جن کو عربوں نے یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا تھا ۔ یہ مصنفین جالینوس ، ہیپوقیراطیس ، افلاطون ، ارسطو ، اقلیدس ، آرکی میدوس اور بطلیموس وغیرہ تھے ۔ ڈاکٹر لکرک اپنی ''تاریخ طب عرب'' میں **تین سو سے زائد عربی تصانیف** کا ذکر کرتے ہیں جن کا ترجمہ لاطینی میں ہوا ۔ عربی ترجموں کی بدولت ہی وہ تصانیف ہم تک پہنچی ہیں جن کی اصل کتابیں بالکل تلف ہو گئیں ۔ ہمارے راہب تو یونانی زبان کا نام تک نہیں جانتے تھے ۔

موسیولی بان لکھتے ہیں : اگر عربی کو تاریخ سے نکال دیا جاتا تو یورپ کی علمی نشاۃ ثانیہ کئی صدی تک پیچھے ہٹ جاتی ۔[۱]''

''پندرہویں صدی تک کسی ایسے مصنف کا حوالہ نہیں دیا جاتا تھا جس نے محض عربوں سے نقل نہ کیا ہو ۔ راجر بیکن اور سینٹ ٹامس سے لے کر انفاس دہم تک یہ سب یا تو عربوں کے شاگرد تھے یا ان کی تصانیف کے نقل کرنے والے ہیں ۔ عربی سے ترجمہ کی ہوئی انھیں کتابوں پر پانچ چھ صدیوں تک یورپ کے کل دارالعلوموں کی تعلیم کا دار و مدار رہا ، بلکہ علوم کا دارومدار خود ہمارے زمانے تک (یعنی انیسویں صدی کے آخر تک) رہا ہے ۔[۲]''

---

۱ ۔ لی بان ، تمدن عرب ، ص ۵۱۳-۵۱۴ ۔
۲ ۔ ایضاً ، ص ۵۱۴ ۔

مسلمان جغرافیین :

''عربوں نے بڑی تصنیفات جغرافیہ میں چھوڑی ہیں ۔ جن میں سے بعض ایک مدت تک یورپ میں پڑھائی گئیں''۔[۱]

مسلمانوں نے تمام دنیا کے نقشے تیار کیے ، مختلف سمندروں اور جزیروں کا حال لکھا ، قوموں اور موسموں کی تحقیقات کیں ، سینکڑوں نئے انکشافات کیے جنھیں آج ہم غیر قوموں کی ترقی کا مایہ ناز سرمایہ خیال کرتے ہیں ۔

چند مشہور جغرافیین کا بغیر تفصیل کے محض حوالے کے طور پر ذکر ہے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ ان سے یورپ نے کتنا استفادہ کیا ہے ۔ یہ سب وہ جغرافیین ہیں جنھوں نے عرب سے لے کر **ہندوستان** تک ، بعض نے **جاپان** ، **چین** تک خود سفر کیا اور نقشے تیار کیے ، یورپ نے ان سے استفادہ کیا ۔

سلیمان تاجر

انھوں نے ۲۲۳ ہجری میں اپنا سفر نامہ لکھا ہے، اور انیس سو جزیروں کا حال لکھا ہے اور سندھ ، سراندیپ (لنکا) ، مشرق بعید ، اور چین کا سفر کیا ، وہ لکھتا ہے اہل ہند اور اہل چین کہتے ہیں کہ دنیا میں چار بادشاہ سب سے بڑے ہیں ۔ ان میں سب سے بڑے شہنشاہ عرب ہیں ، سب سے دولت مند اور بڑے مذہب کے بادشاہ ہیں ۔ سلیمان تاجر نے دکن کا سفر کیا اور لکھا ، یہاں کے راجہ عربوں سے بہت محبت کرتے ہیں ۔

سلیمان لکھتا ہے ''ان باتوں میں جو ہمارے زمانے میں ہوئیں اور ہم سے پہلے لوگوں کو ان کا علم نہ تھا ۔ ایک یہ ہے کہ کسی کو اس کا پہلے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ **وہ سمندر جس پر ہندوستان اور چین واقع ہے** وہ کس طرح سے بحر شام (بحر روم (Mediterranean) سے ملا ہوا ہے ۔ مگر ہمارے زمانے میں یہ ہوا کہ عربوں کے کچھ ملے ہوئے جہازوں کے تختے جو

---

۱ - "تمدن عرب ، ص ۴۳۱ -

بحر ہند میں ٹوٹ گئے تھے ، وہ بحر اخضر سے ہوکر بحر روم میں پہنچ گئے ۔ اس سے یہ بات بخوبی ثابت ہو گئی کہ بحر ہند چین پر چکر کھا کر بحر روم سے مل جاتا ہے کیونکہ ملے ہوئے جہاز صرف سیراف میں بنتے ہیں اور روم و شام کے جہاز کیلوں سے جڑے جاتے ہیں ۔[1] (یہ سفر نامہ یورپ میں پہنچ گیا تھا) ۔

سلیمان تاجر نے ابتدائی زمانے ہی میں تحقیقاتی طریقے پر سمندری راستوں ، بندرگاہوں کا حال لکھا اور لکھا کہاں جہازوں کی مرمت کا انتظام ہے اور کہاں کہاں کارخانے ہیں ، کس ملک میں کیا محصول ہے ؟ اس قسم کی تمام تجارتی معلومات اس نے جمع کر کے لکھی ہیں ۔ کہا جا سکتا ہے دنیا میں تجارتی جغرافیہ پر سب سے پہلی کتاب سلیمان تاجر کی ہے جس سے بعد میں یورپ نے فائدہ اٹھایا ۔

بحر روم سے ہندوستان کا بحری راستہ تو مسلمانوں نے معلوم کر لیا تھا ۔ یہ آپ نے ملاحظہ کر لیا اور اس کے طویل عرصہ کے بعد واسکوڈے گاما کو ایک مسلمان ابن ماجد جہازراں نے پرتگالی لوٹیروں کے پھندے میں پھنس کر ہندوستان پہنچایا ۔[2]

مسعودی ۔ ۳۰۳ھ/۹۸۵ء

یہ بلند پایہ مورخ ، جغرافیہ نویس اور سیاح تھا ۔ اس نے پچیس برس سیاحت میں گزارے ۔ ہندوستان کے کئی شہروں کو دیکھا ۔ افریقہ ، چین اور روم کے شہروں کا مطالعہ کیا ۔ اس کی دو کتابیں مقبول ہوئیں اور یورپ سے بہت عمدہ طریقے سے طبع ہوئیں ۔ یورپ نے ان سے کافی فائدہ اٹھایا ۔

عرب کمپنیاں

اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے جس طرح اب جہاز ران کمپنیاں ہوتی ہیں ، اس طرح سے عربوں کی بھی جہاز راں کمپنیاں تھیں ۔ اور ان کمپنیوں کے بانی بھی عرب جہازراں تھے ۔ کمپنی میں شریک

---

۱ ۔ سفر نامہ سلیمان تاجر ، پیرس ، ۱۸۱۱ء ، ص ۱۵-۱۶ ۔

۲ ۔ سلیمان ندوی ، 'عرب و ہند کے تعلقات'، کراچی ، ص ۳۷ ۔

باپ ، بیٹے یا ساتھیوں کے نام سے ان کا اندراج ہوتا تھا ۔ ان کے قوانین تھے ۔ مال چڑھانے اتارنے کے اصول تھے ۔ سب ملکوں کی پیداوار ، منڈیوں اور موسموں سے گہری واقفیت تھی ۔ اس نے پنجاب کے پانچوں دریاؤں کا حال ، ان کا منبع اور ہمالہ کا ذکر کیا ہے ۔ اس کی کتاب مروج الذہب دو جلد میں پیرس سے بڑی خوبصورت شائع ہوئی ہے ۔

ادریسی

سسلی کا باشندہ ہے ۔ ان سے جغرافیہ کا علم یورپ میں ازمنۂ وسطی میں پھیلا ۔ بارھویں صدی کا سب سے مشہور عرب جغرافیہ دان ہے ۔ اس کی تصنیفات کا لاطینی میں ترجمہ ہوا ۔ اس کی مشہور اور عظیم الشان تصنیف ''نزھۃ المشتاق فی اختراق اخبار الاتفاق'' ہے ۔ تین صدیوں سے زیادہ تک یورپ نے محض اس کتاب کی تقلید پر قناعت کی ہے ۔[1] اس کی کتاب آثار البلاد جو یورپ سے اور خصوصاً فرانس میں چھپی ہے ، بہت مشہور ہوئی ۔

ابو الفداء - ۱۲۷۱ء

ابو الفداء نے ساٹھ جغرافیہ نویسوں کے نام لکھے ہیں جو اس سے پہلے ہوئے تھے ۔ موسیو لی بان لکھتے ہیں ۔ ''عربوں کی تحقیقات کا اپنی کتابوں میں ذکر نہ کرنا اس کے سوائے سمجھ میں نہیں آتا کہ اسلام کے خلاف اس وقت تک یورپ میں **شدید موروثی تعصب** ہے ۔''[2]

بزرگ بن شہریار (۳۰۰ھ)

اس کی کتاب لیدن سے ۱۸۸۶ء میں طبع ہوئی ۔

مسعربنمہلہل (۳۳۱ھ)

اس نے خشکی کے راستے لکھے ہیں ۔ برلن سے ۱۸۴۵ء میں لاطینی کے ترجمہ کے ساتھ عربی میں طبع ہوئی ۔

---

۱ ۔ لی بان ، تمدن عرب ، ص ۴۳۱ ۔
۲ ۔ ایضاً ، ص ۴۳۳ ۔

الاسطخری (۳۴۰ھ/ ۹۵۰ء)

اس نے دنیا کے نقشے تیار کیے ۔ اس کی کتابیں یورپ سے شائع ہوئیں ۔ کتاب الاقالیم لندن سے ۱۸۳۹ء میں اور المسالک و الممالک پیرس سے ۱۸۷۰ء میں شائع ہوئی ۔

یاقوت الحموی (۶۲۷ھ/ ۱۲۲۹ء)

اس کی ضخیم کتاب معجم البلدان دس جلد میں یورپ سے شائع ہوئی ۔

ابن حوقل (۳۵۸ھ)

اسپین اور سسلی سے **ہندوستان** ، **افریقہ** اور **ایشیا** کا سفر کیا ، اس نے ہندوستان میں کئی شہروں کا مطالعہ کیا اور اس کی لمبائی اور چوڑائی لکھی ۔ ابن حوقل کا جغرافیہ دو جلدوں میں اسپین سے شائع ہوا ، ابن حوقل اسطخری کا ہمعصر ہے ۔

ان جغرافیین کے علاوہ کئی مشہور جغرافیہ نویس ہیں جن کی کتابیں یورپ سے شائع ہوئیں اور ان پر یورپ میں کام ہوا ۔ سفرنامہ ابن جبیر ، سفر نامہ ابن بطوطہ بھی یورپ سے شائع ہوئے ۔

ابن ندیم (۳۷۷ھ)

اس نے اپنے زمانہ تک لکھی جانے والی تمام کتابوں کی فہرست ، مضامین کی ترتیب ، سوانح اور مصنفین کے حال کے ساتھ مرتب کی ۔ مصنفین کا حال لکھا ، علوم کی تقسیم کی ۔ ایسی فہرست دنیا میں سینکڑوں سال تک وجود میں نہیں آتی ۔ یہ کتابوں کی ایک انسائیکلوپیڈیا ہے جس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا ، یورپ نے اس سے رہنمائی حاصل کی ۔ جرمن محقق فلوگل نے اپنے حاشیہ کے ساتھ **لیبزگ** سے ۱۸۷۰ء میں شائع کی ۔ اہل یورپ نے مسلمانوں کی ان کوششوں سے صدیوں تک فائدہ اٹھایا ، جو انھوں نے سائنس کے میدان میں کی تھیں ۔ سینکڑوں عرب سائنس دان مصنف گزرے ، جن کی تصانیف سے یورپ کی یونیورسٹیاں چلتی رہیں ۔

ابن ہیثم (المتوفی ۱۰۳۹ء)

اس کی کتاب المناظر کا ترجمہ لاطینی اور دوسری زبانوں میں ہوا - محقق شاسل نے لکھا ہے - ''ابن ہثیم کی کتاب یورپ کی کل معلومات علم المناظر کا ماخذ ہے''[۱] -

عربوں نے بارود ہی ایجاد نہیں کیا بلکہ سینکڑوں آلات حرب بھی ایجاد کیے - رینو اور فادے نے تحقیقات کر کے ثابت کیا ہے کہ یونانیوں کی طرف ان ایجادوں کو منسوب کرنا غلط ہے - یہ عظیم ایجادیں عربوں نے کی ہیں -[۲] بعد میں اہل یورپ نے ان بارود اور آلات حرب کو استعمال کرنا شروع کر دیا -

قطب نما کی ایجاد نے بحریہ کی ترقی میں بڑا اضافہ کیا - جس زمانہ میں عربوں کے تجارتی جہاز چین تک جاتے تھے ، اور قطب نما استعمال ہوتا تھا ، اس وقت بر اعظم چین کا اہل یورپ کو علم تک نہیں تھا - ادریسی نے بارہویں صدی میں قطب نما کے جہازوں میں عام استعمال ہونے کا ذکر کیا ہے -[۳]

علم طب :

مسلمانوں نے کیمیا ، اور طبیعیات میں بڑی ترقی کی - کیمیا کی ترقی سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے طب کو بھی عروج بخشا - علم طب کے تمام شعبوں میں مثلاً اسباب و علامات ، علم ادویہ ، آلات جراحی ، حفظان صحت کے اصول ، غرض ہر شعبہ میں ترقی کی - جڑی بوٹیوں کے اور عجیب الخلقت درختوں کے باغ لگا کر تجربات کیے ، عمل جراحی میں آلات کی ایجادوں کے علاوہ ریشمی ٹائلوں کا استعمال عربوں نے کیا ، عمل جراحی سے پہلے دوائے بیہوشی دینا جس سے مریض میں حس و حرکت باقی نہ رہے ، اسے ہم بالکل جدید طریقہ سمجھتے ہیں - اس کا استعمال بھی عربوں سے یورپ میں پہنچا ہے -

---

۱ - تمدن عرب ، ص ۴۳۴ -
۲ - تمدن عرب ، ص ۴۴۰ -
۳ - ایضاً ، ص ۴۴۴ -

یورپ کے طبی مدارس :

یورپ کے طبی مدارس کا دار و مدار اٹھارہویں صدی سے پہلے تک عربوں کی کتابوں اور ان کی تحقیقات پر رہا ۔ طب میں صرف عربوں کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں اور دوسرا کوئی ماخذ نہیں تھا ۔ جن کی کتابیں بار بار یورپ میں طبع ہوئیں اور طبی نصاب انہی لوگوں کی کتابوں پر مشتمل تھا ، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں ۔

ابو علی ابن سینا ، الرازی ، علی ابن العباس ، ابو القاسم الزہراوی اور **ابن رشد** ۔ ان میں سے بو علی سینا اور ابن رشد ایسے محقق ہیں جن کی کئی کئی کتابیں کئی کئی شہروں سے طبع ہوئیں ۔ ابن رشد کی سو کتابیں ہیں ۔ نصف سے زائد اسپین کی اسکوریال لائبریری میں اور بہت سی فرانس کی قومی لائبریری میں موجود ہیں ۔ کچھ جرمنی میں ہیں ۔ یورپ میں پانچ کتابیں اصل عربی میں طبع کی گئیں، وہ ہم تک پہنچی ہیں ۔[1] تین سو سال تک یورپ کی جامعات میں اور کالجوں میں لاطینی اور فرانسیسی میں ترجمہ کر کے ابن رشد اور ابن سینا کو پڑھاتے رہے ہیں ۔[2]

یورپ نے گھریلو استعمال کی چیزوں سے لے کر گرجا تک اور بازار سے لے کر دربار تک عربوں کے علوم و فنون ، معاشرت اور معیشت اور تفریحات میں نقل کی ۔ مثلاً اٹلی میں میلان کے بڑے کلیسا کے بیت الخدمت (سروس ہال) میں ایک نکیلا محراب نما دروازہ ہے ۔ اس کے گرد پتھر کی کگر تھی ، اس پر ایک عربی لفظ بار بار لکھا گیا ہے ۔ اسی طرح کلیسائے سینٹ پیٹر کے اس دروازے پر جہاں پوپ یوژین چہارم کی مورت ہے ، حضرت عیسیٰ کے سر کے گرد عربی حروف کا ہالہ ہے ۔ سینٹ پیٹر اور سینٹ پال کے کپڑوں پر بھی عربی عبارت درج ہے ، (جو غالباً کلمہ ہے) ۔[3]

---

۱ ۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (مقدمہ) فصل المقال ابن رشد ، مترجمہ عبید اللہ قدسی ، اقبال اکیڈیمی ، لاہور ۔

۲ ۔ لی بان ، تمدن عرب ، ص ۴۵۵ ۔

۳ ۔ ایضاً ، ص ۴۸۶

اشاریہ

اشخاص

مقامات